فصل سوم

تصور بدعت اور چند عصری نظائر و واقعات

۱۔ اسلامی حکومت کے قیام کا مسئلہ

۲۔ پختہ مساجد کی تعمیر کا مسئلہ

۳۔ قرآن کا ترجمہ و تفسیر

۴۔ دینی علوم و فنون کی تنظیم و تدوین

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

دینِ اسلام میں حکمت و مصلحت وہ دائمی اُصول ہے جو اسے زمانوں اور معاشروں کے بدلتے ہوئے حالات اور زندگی کے نئے تقاضوں سے ہم آہنگ رکھتا ہے اور ان کی تکمیل کے ذریعے معاشرے کو ابدالآباد تک تحرک اور تسلسل عطا کرتا ہے، اسی اصول کے باعث اسلامی نظامِ حیات میں جمود پیدا نہیں ہونے پاتا۔ یہی اُصول اسلامی احکام کی دائمی اور متحرک عملیّت اور لا یزال مطابقیت برقرار رکھتا ہے جس سے اس نظام کی تازگی ہمیشہ قائم رہتی ہے ۔اس ضمن میں تصورِ بدعت کی مزید تفہیم کے لے چند شہادتیں عصری نظائر و واقعات کے تناظر میں پیش کی جاتی ہیں تا کہ یہ واضح کیا جا سکے کہ اسلام عصری ضروریات و حالات کی رعایت کرتے ہوئے قیامت تک کے لیے تمام انسانوں کی حاجات کی کفایت کرتا ہے۔

ا۔ اسلامی حکومت کے قیام کا مسئلہ

شریعت نے اِس اَمر کو تو ضروری قرار دیا کہ مسلمانوں کی نمائندہ حکومت ہونا چاہئے لیکن اس کا انتخاب کس طرح ہو، حکومت کی تشکیل کس نظام کے تحت کی جائے، اس کے اِدارے کس طرح وجود میں آئیں اور پھر ان میں اختیارات کی تقسیم کس اُسلوب پر ہو؟ ان تفصیلات کے متعلق بالعموم شریعت نے خاموشی اختیار کی ہے۔ کیونکہ ہر مسلمان ریاست اپنی صوابدید کے مطابق جو نظام ضروری سمجھے اسے اِختیار کرنے کی مجاز ہے۔

اِسی طرح طرزِ انتخابات کی طرح طرزِ حکومت کو بھی اُمت کی اجتماعی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ آپ وفاقی نظام حکومت قائم کریں یا وحدانی، پارلیمانی طرز کا نظام نافذ کریں یا صدارتی، اِس کو خلافت کا نام دیں یا امارت کا، اسلام اور شریعتِ محمدی ﷺ کو

اس سے کوئی سروکار نہیں اگر نظامِ حکومت اسلامی قواعدِ مشاورت کے مطابق ہے تو وہ اسلامی ہے ورنہ غیر اسلامی، خواہ زمامِ اقتدار انتہائی مذہبی طبقے کے ہاتھ میں ہی کیوں نہ ہو۔

اِسلام میں چونکہ کوئی خاص طرزِ حکومت متعین نہیں ہے لہٰذا حضور نبی اکرم ﷺ نے اس اُمت میں ظہور پذیر ہونے والی مختلف حکومتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اوّل هذا الامر نبوة و رحمة ثم يكون خلافة و رحمة ثم يكون ملكا و رحمة ثم يكون إمارة و رحمة ثم يتكادمون عليها تكادم الحمير فعليكم بالجهاد و ان أفضل جهادكم الرباط و ان أفضل رباطكم عسقلان۔ (۱)

’’اس دین کا اول نبوت اور رحمت ہے، پھر خلافت اور رحمت ہے، پھر ملوکیت اور رحمت ہے، پھر امارت اور رحمت ہے، پھر لوگ گدھوں کی طرح حکومت کو دانتوں سے کاٹیں گے، اس وقت تم پر جہاد لازم ہے اور تمہارا سب سے افضل جہاد سرحدوں کی نگرانی ہے اور تمہاری سب سے افضل سرحد عسقلان (۲) ہے۔‘‘

اسی طرح آپ ﷺ نے اس اُمت میں برسرِ اِقتدار آنے والے مختلف حکمرانوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

سيكون من بعدى خلفاء و من بعد الخلفاء أمراء ومن بعد الأمراء ملوك ومن بعد الملوك جبابرة ثم يخرج رجل من اهل بيتى يملأ الأرض عدلا كما ملئت جوراً ثم يؤمر القحطانى فوالذى

---

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۱: ۷۳، رقم: ۱۱۱۳۸
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۵: ۱۹۰

(۲) قدیم فلسطینِ کبریٰ کا ایک شہر جو کہ صلیبی جنگوں میں ایک اہم عسکری مقام تھا۔ (المنجد فی الأعلام: ۳۷۴)

بعثنی بالحق ماهو دونه۔[۱]

’’حضور ﷺ نے فرمایا عنقریب میرے بعد **خلفاء** ہوں گے اور خلفاء کے بعد **امراء** ہوں گے، امراء کے بعد **ملوک** ہوں گے اور ملوک کے بعد **جابر حکمران** ہوں گے پھر میرے اہل بیت میں سے ایک ایسا شخص آئے گا جو زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ اس سے قبل ظلم و ستم سے بھری ہو گی۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کے اِن فرامین سے ثابت ہوتا ہے کہ اِسلام میں کسی خاص قسم کی حکومت متعین نہیں بلکہ بدلتے ہوئے حالات و زمانہ کے مطابق اس میں تبدیلی اور ترمیم بھی ہوسکتی ہے۔

۲۔ پختہ مساجد کی تعمیر کا مسئلہ

اِسلام کے دورِ اوائل میں پختہ مکانات بنانا ناپسند خیال کیا جاتا تھا لہٰذا مسجد کو بھی پختہ بنانا ناجائز تصور کیا جاتا رہا۔ اسی طرح دورِ نبوی میں مسجد کے محراب کا بھی رواج نہیں تھا۔ **علامہ نور الدین سمہودیؒ** (۹۱۱ھ) ’’وفاء الوفاء‘‘ میں ذکر کرتے ہیں کہ مساجد کے محراب حضور ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں نہ تھے بلکہ سب سے پہلے اسے عمر بن عبدالعزیزؒ (۱۰۱ھ) نے بنوایا۔[۲] پھر جب اِسلامی سلطنت کی حدیں شرق و غرب تک

(۱) ۱۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۵:۱۹۰

۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲:۳۷۴، رقم:۹۳۷

۳۔ دیلمی، الفردوس بمأ ثور الخطاب، ۵:۴۵۶، رقم:۸۷۳۱

۴۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۳:۲۱۴

۵۔ ابن ابی حاتم الرازی، الجرح والتعدیل، ۲:۴۹۴، رقم:۲۰۲۹

(۲) ۱۔ سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ۱:۳۷۲

۲۔ عبدالحئی لکھنوی، فتاویٰ، ۱:۱۰۸

پھیل گئیں، تہذیب و ثقافت اور رہن سہن کے طریقوں میں تبدیلیاں آ گئیں، لوگوں نے اپنی رہائش کے لئے بڑے بڑے کشادہ اور پختہ مکانات بنانا شروع کر دیئے۔ بنو اُمیہ اور بنوعباس کے دورِ حکومت اور مابعد اسلامی مملکت کے جاہ و جلال کے دور میں مسلمانوں نے عالی شان محلات تعمیر کرنا شروع کر دیئے تو علماءِ اُمت نے وقت کے تقاضوں کے مطابق اللہ کے گھروں کی تعمیر کو بھی اسی طرح نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ عظمتِ اسلام کے پیش نظر ضروری قرار دیا۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ دین کو اگر ظاہری لفظوں سے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو اس سے (إلا ماشاء اللہ) گمراہی کے سوا کچھ نہیں ملتا، لیکن اگر دین کی اصل روح اور اس میں کارفرما حکمتوں پر غور کر کے اس کے احکام کو پرکھا جائے تو یہی دین ہدایت کا باعث بنتا ہے اور اس کا صحیح فہم پیدا ہوتا ہے۔

اگر مساجد کی تعمیر میں تبدیلی پر غور کیا جائے تو اس کی مصلحت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اُس وقت لوگوں کے اپنے گھر کچے ہوتے تھے لہٰذا اللہ کے گھر کا کچا ہونا باعثِ عار نہ تھا لیکن جب لوگوں کے اپنے مکانات پختہ محلات میں بدل گئے تو خانۂ خدا کی وجاہت اور ظاہری شان و شوکت کے پیش نظر پختہ اور خوبصورت مساجد کی تعمیر کا فتویٰ دے دیا گیا۔

۳۔ قرآن کا ترجمہ و تفسیر

اسی طرح قرآن کی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے ضروری تھا کہ اس کے تراجم اور تفاسیر بھی مختلف ممالک کے لوگوں کی زبان اور فہم کے مطابق ہوں لیکن دین کے بارے میں ظاہری الفاظ پر نظر رکھنے والا ناپختہ اور انتہا پسند جامد ذہن ہر دور میں ہونے والے نئے کام کی مزاحمت (Resistance) میں پیش پیش رہا ہے چنانچہ **حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ** (۱۱۷۶ھ) نے ہندوستان میں جب پہلی مرتبہ اسی ضرورت کے پیش

نظر قرآن حکیم کا ترجمہ فارسی میں کیا تو یہاں کے ظاہربین علماء نے ان کے خلاف بہت شور مچایا اور کفر و بدعت کے فتوے صادر کئے کہ قرآن کو عربی زبان سے فارسی میں منتقل کیا جا رہا ہے لیکن آنے والے وقت نے ثابت کر دیا کہ یہ نئی بدعت مصلحتِ وقت اور عین تقاضائے تبلیغ دین تھی جبکہ فتویٰ لگانے والے اس وقت اِس دینی مصلحت سے ناآشنا تھے۔

۴۔ دینی علوم وفنون کی تنظیم وتدوین

امام عزالدین بن عبد السلام السلمی الشافعیؒ (۶۶۰ھ) ’’قواعد الاحکام فی مصالح الانام‘‘ میں دینی علوم وفنون کی تدوین کو بدعتِ واجبہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

و للبدع الواجبة أمثلة منها الاشتغال بعلم النحو الذی یفهم به کلام اﷲ تعالٰی و کلام رسول اﷲ ﷺ، و ذٰلک واجب لان حفظ الشریعة واجب، ولایتأتیٰ حفظها الا بمعرفة ذٰلک، وما لایتمُّ الواجبُ الابه فهو واجبٌ، الثانی: حِفْظُ غریبِ الکتاب والسنة من اللغة، الثالث: تدوین اُصول الدین و اُصول الفقه، الرابع: الکلام فی الجرح والتعدیل، لتمییز الصحیح من السقیم، وقد دَلَّت قواعدُ الشریعة علی أنَّ حِفْظَ الشریعةِ فرض کفایة فیما زاد علی القَدْرِ المُتَعَیِّن ولا یتأتّی حفظ الشریعة الا بما ذکرناه۔[۱]

’’بدعات واجبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: علم نحو کا پڑھنا جس پر قرآن وحدیث کا سمجھنا موقوف ہے، یہ اس لیے واجب ہے کہ علم شریعت کا حصول واجب ہے اور قرآن و حدیث کے بغیر علم شریعت حاصل نہیں ہوسکتا اور جس چیز پر کوئی واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔ دوسری مثال ہے قرآن اور حدیث

(۱) عزالدین، قواعد الأحکام فی مصالح الأنام، ۲: ۳۳۷ وأیضاً فی فتاوی العز بن عبدالسلام: ۱۱۶

کے معانی جاننے کے لئے علم لغت کا حاصل کرنا، تیسری مثال ہے دین کے قواعد اور اصول فقہ کو مرتب کرنا چوتھی مثال سندِ حدیث میں جرح اور تعدیل کا علم حاصل کرنا تاکہ صحیح اور ضعیف حدیث میں امتیاز ہو سکے اور قواعدِ شرعیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اپنی ضروریات سے زیادہ علم شریعت حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور یہ علم مذکورالصدر علوم کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔‘‘

اگر ہر نیا کام جو عہدِ رسالت مآب اور عہدِ صحابہ میں متداول اور معمول بہ نہ تھا محض اپنے نئے ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار پائے تو تعلیماتِ دین اور فقہ اسلامی کا بیشتر حصہ ناجائز کے زمرے میں آجائے گا اور اجتہاد کی ساری صورتیں، قیاس، استحسان، مصالح مرسلہ، استصحاب، استدلال اور استنباط کی جملہ شکلیں ناجائز کہلائیں گی۔ اسی طرح دینی علوم وفنون مثلاً اُصولِ تفسیر، اُصول حدیث، فقہ و اُصولِ فقہ، ان کی تدوین، اور ان کو سمجھنے کے لئے صرف ونحو، بلاغت و معانی، منطق و فلسفہ اور دیگر معاشرتی و معاشی جملہ علومِ خادمہ جو فہمِ دین کے لئے ضروری اور عصری تقاضوں کے مطابق لابدی ہیں ان کا سیکھنا، سکھانا بھی حرام قرار پائے گا کیونکہ یہ سب علوم وفنون اپنی موجودہ شکل میں نہ عہدِ رسالت میں موجود تھے نہ ہی عہدِ صحابہ کرام میں، انہیں تو بعد میں ضرورت کے پیش نظر وضع اور مرتب کیا گیا۔ یہ تمام علوم وفنون اپنی ہیئت، اُصول، اِصطلاحات، تعریفات اور قواعد وضوابط کے اعتبار سے نئے ہیں اس لئے بلا شک وشبہ بدعتِ لغوی کے زمرے میں آتے ہیں۔ مزید برآں اگر ہر نیا کام بدعتِ شرعی اور ضلالت و گمراہی قرار پائے تو دینی مدارس کی مروجہ تعلیم و تدریس اور نصابات کا بیشتر حصّہ بھی گمراہی قرار پائے گا کیونکہ موجودہ درس نظامی کے نصابات کے مطابق درس و تدریس نہ تو حضور ﷺ کے زمانہ اقدس میں تھی اور نہ ہی اس طرح کسی صحابی نے تعلیم حاصل کی تھی۔ ان کا طریقہ نہایت سادہ تھا۔ وہ فقط قرآن و حدیث کا سماع کرتے اور اسے آگے روایت کرتے تھے۔

دین کی اصل روح کو سمجھنا ضروری ہے

اسلام کے ساتھ یہ المیہ رہا ہے کہ سطح بینی سے اس کا مطالعہ کرنے والے چھوٹی چھوٹی باتوں کو کفر و اِیمان کا مسئلہ بنا لیتے ہیں اور دین کی اصل روح اور اس میں کارفرما وسیع تر مفاد اور حکمت کو نظر اَنداز کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوان نسل جن کے سامنے دین کی اصل روح نہیں رکھی جاتی بلکہ لفظوں کی ہیرپھیر سے دین کو متعارف کرایا جاتا ہے، روز بروز اسلام سے دور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ صرف اس لئے کہ کہیں تو ذاتی مفادات کے پیش نظر اور کہیں نادانی کی بنا پر مذہبی ذمہ دار لوگوں نے (اِلا ماشاء اللہ) لفظی موشگافیوں سے دین کو دشوار بنا دیا ہے، جس سے نوجوان نسل بالعموم اور نیا تعلیم یافتہ طبقہ بالخصوص جو پہلے ہی مغربی تہذیب و ثقافت اور اس کی ذہنی و فکری یلغار کا نشانہ بنا ہوا ہے، دین سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ اگر ہم صدقِ دل سے دین کے اُصول و قوانین اور شریعتِ اسلامیہ کے دلکش پہلو اس پریشان کن دور میں اپنے پیش نظر رکھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ لوگ پھر سے عظمتِ اسلام کی بازیابی کے لئے کمربستہ نہ ہو جائیں۔

www.MinhajBooks.com

باب سوم

قرونِ اُولیٰ اور اِطلاقِ بدعت

قرونِ اُولیٰ میں اہلِ بدعت کا اِطلاق کن پر ہوتا تھا؟

قرونِ اُولیٰ میں مستحبات اور مستحسنات کی سطح کے اُمور پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا تھا

تابعین اور تبع تابعین اہل بدعت سے اجتناب کرتے تھے

قرونِ اولیٰ میں بدعت کا اِطلاق صرف کفریہ عقائد پر ہوتا تھا

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com
منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

قرونِ اُولیٰ میں اہلِ بدعت کا اِطلاق کن پر ہوتا تھا؟

قرونِ اُولیٰ میں گستاخانِ رسول، مخالفینِ صحابہ اور کفریہ عقائد کے حاملین کو اہلِ بدعت کہا جاتا تھا۔ متعدد اَحادیثِ مبارکہ اور آثارِ صحابہ اس بات پر شاہد عادل ہیں کہ دورِ نبوی اور عہدِ صحابہ میں اُمورِ خیر اور اَعمالِ صالحہ کا اِجراء کرنے والوں کو اہلِ بدعت نہیں کہا جاتا تھا بلکہ اسکے برعکس بدعتی اُن کو کہا جاتا جو ’’فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ‘‘(۱) کے مخالف تھے اور جمہور اُمت کی اِتباع کی بجائے محدثات الاُمور اور اِختلافِ کثیر کے پیچھے پڑے رہتے۔ یہ وہ لوگ تھے جو سوادِ اعظم کی اِتباع کی بجائے اپنے خودساختہ عقائد کی بنا پر اُمت کی اِجتماعیت کو نقصان پہنچانے کا موجب بنتے۔ اِن اَہلِ بدعت اورفرقِ باطلہ کے درج ذیل معروف طبقات ہیں:

۱۔ خوارج

۲۔ مُرجئہ

---

(۱) ۱۔ ابو داود، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

۳۔ مُعتزلہ

۴۔ جَہُمِیَّہ

۵۔ روافض و باطنیہ

۶۔ قدریہ

۱۔ خوارج

اِسلام کو اپنے اَوائل دور سے ہی جس بڑے اور پہلے فتنے کا سامنا کرنا پڑا اُسے فتنۂ خوارج کہتے ہیں۔ اگرچہ خارجیوں کا باقاعدہ آغاز سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا لیکن اِن کی فتنہ پروری اور سازشوں کا آغاز بہت پہلے ہو چکا تھا۔ چنانچہ **علامہ ابن تیمیہ** (۷۲۸ھ) خوارج کو تاریخِ اسلام کی سب سے پہلی بدعت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

فكان من اول البدع والتفرق الذی وقع فی هذه الأُمة بدعة الخوارج۔[1]

''اس امت میں سب سے پہلی بدعت اور تفرقہ جو واقع ہوا وہ خوارج کی بدعت تھی۔''

دوسرے مقام پر علامہ ابن تیمیہ بیان کرتے ہیں کہ خوارج اہلِ بدعت میں سے وہ لوگ ہیں جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد سب سے پہلے خروج کیا۔ وہ اپنے فتاویٰ میں رقم طراز ہیں:

والنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انما ذكر الخوارج الحرورية، لأنهم أول صنف من أهل البدع خرجوا بعده؛ بل أولهم خرج في حياته فذكرهم لقربهم من زمانه۔[2]

(۱) ابن تیمیه، مجموع الفتاویٰ، ۱۲: ۴۷۰

(۲) ابن تیمیه، مجموع فتاویٰ، ۲۸: ۴۷۶

”حضور ﷺ نے خوارجِ حروریہ کا ذکر کیا کیونکہ یہ اہل بدعت کا وہ طبقہ تھا جنہوں نے آپ ﷺ کے بعد سب سے پہلے خروج کیا، بلکہ ان کے پہلے طبقے نے آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں خروج کیا تھا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اپنے زمانہ کے ساتھ ان کے قرب کی وجہ سے ان کا ذکر کیا۔“

فتنۂ خوارج کی اِبتدا کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ جنگ صفین (۳۷ھ/ ۶۵۷ء) کے بعد بالآخر فیصلہ کیا گیا کہ طرفین سے دو معتمد اشخاص کو حَکَم بنایا جائے جو قرآن وسنت کے مطابق کوئی ایسی تدبیر نکالیں جس سے لڑائی کا مستقل خاتمہ ہو سکے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حَکَم مقرر ہوئے اور طرفین سے عہد نامہ لکھا گیا جس کے نتیجہ میں لڑائی تھم گئی۔ اشعث بن قیس نے یہ عہد نامہ لیکر ہر ہر قبیلہ کے افراد کو سنانا شروع کر دیا۔ جب وہ قبیلہ بنی تمیم کے لوگوں کے پاس آئے جن میں ابو بلال کا بھائی عروہ بن ادیہ بھی تھا اور ان کو پڑھ کر سنایا تو عروہ نے بطورِ احتجاج یہ آواز بلند کی:

تحكمون في أمر الله الرجال؟ لا حكم إلا الله۔ (۱)

”تم اللہ کے امر میں انسانوں کو حَکَم بناتے ہو؟ سوائے اللہ کے کسی کا حکم نہیں۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب صفین سے واپس کوفہ پہنچے تو ان کو خوارج کے اس عمل سے

(۱) ۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ۳: ۱۰۴

۲۔ ابن ابی شیبۃ، المصنف، ۷: ۵۵۷، رقم: ۳۷۹۰۷

۳۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۳: ۳۲

۴۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱: ۱۶۰

۵۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ۳: ۱۹۶

۶۔ ابن جوزی، المنتظم، ۵: ۱۲۳

۷۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۶: ۶۱۹، رقم: ۳۴۱۵

آ گاہی حاصل ہوئی تو آپ نے فرمایا:

كلمة حق أريد بها باطل، إن سكتوا غممناهم و إن تكلموا حججناهم و إن خرجوا علينا قاتلناهم۔(۱)

''بات تو حق ہے مگر مقصود اس سے باطل ہے۔ اگر وہ خاموش رہے تو ہم ان پر چھائے رہیں گے اور اگر انہوں نے کلام کیا تو ہم ان پر دلیل لائیں گے اور اگر وہ ہمارے خلاف نکلے تو ہم ان سے لڑیں گے۔''

امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) نے بعض الفاظ کے تغیر کے ساتھ مذکورہ روایت کو باب التحریض علی قتل الخوارج میں نقل کیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ مَوْلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ أَنَّ الْحَرُوْرِيَّةَ لَمَّا خَرَجَتْ وَهُوَ مَعَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضي الله عنه قَالُوا لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ قَالَ عَلِيٌّ رضي الله عنه: كَلِمَةُ حَقٍّ أُرِيْدَ بِهَا بَاطِلٌ....۔(۲)

(۱) ۱۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ۳: ۲۱۲، ۲۱۳
۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ۳: ۱۱۴

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، ۲: ۷۴۸، رقم: ۱۰۶۶
۲۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۱۶۰، رقم: ۸۵۶۲
۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷: ۵۶۲، رقم: ۳۷۹۳۰
۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۵: ۳۸۷، رقم: ۶۹۳۹
۵۔ ابن ابی عاصم، السنۃ، ۲: ۴۵۳، رقم: ۹۲۷
۶۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۱۷۱، رقم:
۷۔ ابو نعیم أصبہانی، المسند المستخرج علی صحیح الإمام مسلم، ۳: ۱۳۴، رقم: ۲۳۷۸

> ’’رسول اللہ ﷺ کے غلام حضرت عبد اللہ بن ابی رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حروریہ کا جس وقت ظہور ہوا تو وہ (یعنی حضرت عبد اللہ بن ابی رافع رضی اللہ عنہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ اُن (خوارج) نے کہا: اللہ کے سوا کوئی حاکم نہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ حق بات ہے جس سے باطل کا ارادہ کیا گیا ہے۔‘‘

مختصر یہ کہ خوارج نے فوج کا ساتھ چھوڑ دیا اور حروراء کے گاؤں میں جا کر لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف اُکسانا شروع کردیا وہ لوگوں کو پہاڑوں یا دوسرے شہروں کی طرف نکلنے کا مشورہ دیتے یہاںتک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل کو **بدعة ضلالة** تک کہا گیا آخر کار ان لوگوں نے آپس کے مشورہ سے ’’**الحکم للہ**‘‘ کے اجراء کے لئے کوفہ سے نکل کر نہروان کے مقام کو پسند کیا اور سب وہاں جمع ہوگئے۔ خارجیوں کی تشدّد پسند اور فتنہ انگیز سرگرمیوں کو روکنے کے لیے حضرت علی اور اِن کے درمیان ۹ صفر ۳۸ ھجری کو نہروان کے مقام پر جنگ ہوئی جس میں خوارج کو ذلت آمیز شکست ہوئی۔

خوارج کی اَہم بدعات

۱۔ گناہِ کبیرہ کا مرتکب دائمی جہنمی ہے اور اس کا خون اور مال حلال ہے۔

۲۔ جس نے اپنے عمل اور غیر صائب رائے سے قرآن کی مخالفت کی وہ کافر ہے۔

۳۔ ظالم اور فاسق حاکم کے خلاف خروج لازم ہے۔

۴۔ وہ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم اور ان کے متبعین سے مروی روایات کا انکار کرتے تھے۔

۵۔ اخبارِ اُحاد مثلاً اَحادیثِ رجم وغیرہ کا اِنکار کرتے تھے۔ (۱)

---

(۱) ۱۔ عبد القاہر بغدادی، الفرق بین الفرق: ۷۳

۲۔ ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ۱۳: ۳۱

خوارج کے کفریہ عقائد اور مسلمانوں کے خلاف ان کے ظالمانہ اور متعصّبانہ رویے کو بیان کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

فکانوا کما نعتهم النبي ﷺ ’’یقتلون اهل الاسلام ویدعون اهل الاوثان‘‘(۱) وکفروا علي بن ابي طالب وعثمان بن عفان ومن والاهما. وقتلوا علي بن أبي طالب مستحلين لقتله. قتله عبدالرحمن بن ملجم المرادي منهم، وكان هو وغيره من الخوارج مجتهدين فی العبادة، لكن كانوا جهالاً فارقوا السنة والجماعة: فقال هؤلاء: ما الناس إلا مؤمن او كافر؛ والمؤمن من فعل جميع الواجبات وترک جميع المحرمات: فمن لم يكن كذلک فهو كافر: مخلد فی النار. ثم جعلوا كل من خالف قولهم كذلک. فقالوا: ان عثمان وعلياً ونحوهما حكموا بغير ما انزل الله، وظلموا فصاروا كفاراً۔(۲)

’’وہ (خوارج) ایسے لوگ تھے جن کی صفت حضور ﷺ نے یہ بیان کی تھی کہ ’’وہ اہلِ اسلام سے لڑیں گے اور بت پرستوں سے صلح رکھیں گے‘‘ انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور اُن کے

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، کتاب الأنبياء، ۳:۱۲۱۹، رقم: ۳۱۶۶
۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الزکوٰة، باب إعطاء المؤلفة، ۲:۷۴۱، رقم: ۱۰۶۴
۳۔ ابو داود، السنن، ۴: ۲۴۳، رقم: ۴۷۶۴
۴۔ نسائی، السنن، ۵:۸۷، رقم: ۲۵۷۸
۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳:۶۸، رقم: ۱۱۶۶۶
(۲) ابن تیمیه، مجموع الفتاویٰ، ۷: ۴۸۱

پیروکاروں کی تکفیر کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خون کو مباح قرار دیتے ہوئے اُن سے جھگڑا کیا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عبد الرحمٰن بن ملجم المرادی نے شہید کیا جو کہ خارجیوں میں سے تھا۔ یہ اور اِسکے علاوہ دیگر خوارج ''مجتہد فی العبادۃ'' تھے لیکن حقیقت میں وہ جاہل تھے انہوں نے سنت اور جماعت کو توڑا۔ان کے عقیدے کے مطابق اِنسان مؤمن ہو گا یا کافر۔ لہٰذا ان کے نزدیک مؤمن وہ ہے جو تمام واجبات پر عمل کرے اور تمام محرّمات کو ترک کرے۔ جو ایسا نہیں کرتا وہ کافر اور دائمی جہنمی ہے۔ پھر انہوں نے ہر اُس شخص کی اِسی طرح تکفیر کرنا شروع کر دی جس نے ان کی مخالفت کی۔انہوں نے کہا کہ عثمانؓ، علیؓ اور ان کی طرح دیگر لوگوں نے اللہ کے نازل کردہ احکام کے خلاف حکومت کی اور ظلم کا اِرتکاب کیا ہے پس یہ سارے کافر ہو گئے۔''

اگر خوارج کے عقائد اور ان کی خصوصیات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ خوارج نے نہ صرف سنت سے خروج کیا بلکہ مسلمانوں کے خون کو بھی مباح قرار دیا۔علامہ ابنِ تیمیہ خوارج کی اہم خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولهم خاصتان مشهورتان فارقوا بهما جماعة المسلمين وأئمتهم: أحدهما: خروجهم عن السنة، و جعلهم ماليس بسيئة سيئة، أو ماليس بحسنة حسنة، وهذا هو الذي أظهروه في وجه النبی ﷺ حيث قال له ذوالخويصرة التميمي: ''إعدل فإنک لم تعدل'' حتى قال له النبی ﷺ: ''ويلک! ومن يعدل إذا لم أعدل؟''(۱) لقد

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الأدب، باب ماجاء في قول الرجل ويلك، ۵: ۲۲۸۱، رقم: ۵۸۱۱

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب ذكر الخوارج و صفاتهم، ۲:۷۴۴، رقم: ۱۰۶۴

خبت وخسرت إن لم أعدل“ فقوله: ”فانک لم تعدل“ جعل منه لفعل النبي ﷺ سفها وترک عدل، وقوله: ”اعدل“ أمر له بما اعتقده هو حسنة من القسمة التى لا تصلح، وهذا الوصف تشترک فيه البدع المخالفة للسنة، فقائلها لا بد أن يثبت مانفته السنة و ينفى ما أثبتته السنة، ويحسن ما قبحته السنة أو يقبح ما حسنت السنة، وإلا لم يكن بدعة. وهذا القدر قد يقع من بعض أهل العلم خطأ فى بعض المسائل؛ لكن أهل البدع يخالفون السنة الظاهرة المعلومة. والخوارج جوزوا على الرسول نفسه أن يجور ويضل في سنته ولم يوجبوا طاعته متابعته، وإنما صدقوه فيما بلغه من القرآن دون ماشرعه من السنة التى تخالف۔بزعمهم ظاهر القرآن.

وغالب أهل البدع غير الخوارج يتابعونهم فى الحقيقة على هذا: فانهم يرون أن الرسول لو قال بخلاف مقالتهم لما اتبعوه، كما يحكى عن عمرو بن عبيد فى حديث الصادق المصدوق، وإنما يدفعون [عن] نفوسهم الحجة: اما بردّ النقل: وإما بتأويل المنقول. فيطعنون تارة في الاسناد وتارة في المتن، وإلا فهم

۳۔ نسائی، السنن الکبری، ۵:۱۵۹، رقم: ۸۵۶۰–۸۵۶۱، ۶:۳۵۵، رقم: ۱۱۲۲۰

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳:۶۵، رقم: ۱۱۶۳۹

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۵:۱۴۰، رقم: ۶۷۴۱

۶۔ بیهقی، السنن الکبری، ۸:۱۷۱

۷۔ عبدالرزاق، المصنف، ۱۰:۱۴۶

ليسوا متبعين ولا مؤتمين بحقيقة السنة التى جاء بها الرسول، بل ولا بحقيقة القرآن.

الفرق الثانى فى الخوارج وأهل البدع: انهم يكفرون بالذنوب والسيئات. ويترتب على تكفيرهم بالذنوب استحلال دماء المسلمين وأموالهم و ان دار الاسلام دار حرب ودارهم هي دار الايمان. وكذلك يقول جمهور الرافضة؛ وجمهور المعتزلة؛ والجهمية؛ وطائفة من غلاة المنتسبة إلى أهل الحديث والفقه ومتكلميهم۔[1]

’’خوارج کی دو مشہور خصوصیات ہیں جن سے انہوں نے مسلمانوں کی جماعت اور اِن کے أئمہ میں تفرقہ پیدا کیا۔

’’اِن کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے سنت سے خروج کیا اور اُن اُمور کو گمراہی قرار دیا جو فی الحقیقت گمراہی نہیں تھے یا اُن اُمور کو حسنہ قرار دیا جو حسنہ نہیں تھے۔ یہ وہ خصوصیت ہے جس کا اظہار انہوں نے حضور ﷺ کے سامنے کیا جب ذوالخویصرہ تمیمی نے آپ ﷺ سے کہا: **اعدل فإنک لم تعدل**، یعنی آپ انصاف کریں، آپ نے انصاف نہیں کیا۔ اس پر حضور ﷺ نے اس سے فرمایا: ’’**وَيْلَکَ، وَمَنْ يَعْدِلُ اِذَا لَمْ اَعْدِلْ؟ قَدْ خِبْتُ وخَسِرْتُ اِنْ لَمْ اَعْدِلْ**‘‘ ’’یعنی تیری خرابی ہو، اگر میں انصاف نہ کروں تو اور کون انصاف کرے گا؟ اگر میں انصاف نہ کروں تو ناکام و نامراد رہ جاؤں گا‘‘۔ ذو الخویصرہ تمیمی نے اپنے قول ’’**فإنک لم تعدل**‘‘ سے حضور ﷺ کے فعل کو غیر معقول عمل اور ترکِ عدل پر محمول کیا۔ اسی طرح اس کے قول ’’**اعدل**‘‘ سے

---

(۱) ابنِ تیمیہ، مجموع فتاویٰ، ۱۹: ۷۲، ۷۳

اسکا اعتقاد یہ تھا کہ اُسکی بات حسنہ ہے بہ نسبت (حضور ﷺ کی) اس تقسیم کے جو (اِس کے نزدیک) مبنی بر انصاف نہیں تھی (معاذ اللہ)۔ یہی وہ (خوارج کا) وصف ہے جو مبنی بر بدعت اور مخالفِ سنت ہے۔ اس عقیدے کا حامل بدیہی طور پر ایسی بات کا اِثبات کرتا ہے جس کی سنت نفی کرے اور ایسی بات کی نفی کرتا ہے جس کو سنت ثابت کرے۔ اسی طرح یہ ایسی بات کی تحسین کرتا ہے جس کو سنت قبیح جانے اور ایسی بات کو قبیح جانتا ہے جس کو سنت حسنہ جانے اگرچہ وہ بدعت نہ ہی ہو۔اور اس رویہ کی وجہ سے بعض اہلِ علم سے بعض مسائل میں خطاء واقع ہوئی ہے۔ مزید برآں اہلِ بدعت (کی علامت یہ ہے کہ وہ) معروف ومعلوم سنت کی مخالفت کرتے ہیں۔

’’خوارج نے بزعمِ خویش یہ جواز گھڑ لیا کہ اگر رسول بھی اپنی کسی سنت سے انحراف و اعراض برتے تو اسکی اطاعت واجب نہیں ہے۔ یہ (خوارج) صرف ان اُمور کی تصدیق کرتے جو ان کے پاس قرآن کی صورت میں پہنچتے اور اس مشروع سنت کا اِنکار کرتے جو ان کے زُعمِ باطل میں ظاہرِ قرآن کے مخالف ہوتی۔

’’خوارج کے علاوہ دیگر اہلِ بدعت کی اکثریت حقیقت میں اِن اُمور میں اِن کی متابعت کرتی ہے۔ اِن کی رائے میں اگر رسول بھی اپنے قول کے مخالف بات کرے تو اِس کی اتباع نہیں کی جائے گی۔ جیسا کہ عمرو بن عبید سے مروی روایت میں صادق ومصدوق کا ارشاد ہے۔ یہ اپنے آپ کو نقلی روایات کو رد کرنے یا منقول روایات کی تاویل باطلہ کرنے کی وجہ سے دلیل و حجت سے دور رکھتے ہیں۔ یہ کبھی سند میں طعن کرتے ہیں اور کبھی متن میں۔ حالانکہ نہ یہ اس حقیقی سنت کے متبعین اور اَمین ہیں جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں اور نہ ہی قرآن کے ماننے والے ہیں۔

’’خوارج اور اہل بدعت میں دوسرا گروہ وہ ہے جو گناہوں اور معصیتوں پر تکفیر کرتا ہے اور اس بنا پر یہ مسلمانوں کا خون اور انکے اموال کو مباح گردانتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ دارالاسلام دارالحرب ہے اور انکے اپنے گھر دارالایمان ہیں۔ اسی طرح جمہور روافض، معتزلہ، جہمیہ اور غلو کرنے والوں کا ایک ایسا گروہ جو اپنے آپ کو حدیث، فقہ اور متکلمین کی طرف منسوب کرتا ہے، کا بھی یہی عقیدہ ہے۔‘‘(۱)

۲۔ مُرجئۃ

مُرجئۃ مسلمانوں کا ایک ایسا فرقہ ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ایمان کا تعلق محض قول اور زبان سے ہے، عمل کا اس میں دخل نہیں۔ ان کے نزدیک ایمان مقدم ہے جبکہ عمل مؤخّر۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اگر وہ نماز نہ بھی پڑھیں اور روزہ نہ بھی رکھیں پھر بھی ان کا ایمان انہیں نجات دلا دے گا۔ وہ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا جس طرح کفر کے ہوتے ہوئے محض دعویٰ اطاعت کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔ امام ابو جعفر طبریؒ (۳۱۰ھ) ’’تہذیب الآثار‘‘ میں بیان کرتے ہیں کہ جب سفیان بن عیینہ سے مُرجئۃ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا:

فأما المرجئة اليوم فهم قوم يقولون: الإيمان قول بلا عمل، فلا تجالسوهم، ولا تؤاكلوهم، ولا تشاربوهم، ولا تصلوا معهم، ولا تصلّوا عليهم۔(۲)

’’آج کل مرجئہ ایسے گروہ کو کہا جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ’’ایمان بغیر عمل

---

(۱) خوارج سے متعلق مزید تفصیلات کے لیے میری کتاب ’’الإنتباه للخوارج والحروراء‘‘ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) طبری، تہذیب الآثار: ۶۹۵

کے محض قول کا نام ہے'' لہٰذا تم نہ تو ایسے لوگوں کیساتھ بیٹھو، نہ ان کے ساتھ کھاؤ پیو، نہ ان سے ملاقات کرو اور نہ ہی ان کی نمازِ جنازہ پڑھو''

مُرجئہ کے نزدیک ایمان فقط دل سے معرفتِ اِلٰہیہ کے حصول کا نام ہے۔ غالی مرجئۃ کا عقیدہ ہے کہ معصیت اور اطاعت نہ نقصان پہنچاتی ہے اور نہ ہی فائدہ۔ نفسِ ایمان میں فاسق اور عاصی کا ایمان رسول ﷺ اور جبرئیل علیہ السلام کی طرح ہے۔ انہیں میں سے غیلان دمشقی ہے۔ بعد ازاں مرجئہ متعدّد فرقوں میں منقسم ہو گئے اور ہر فرقے نے دوسرے کو گمراہ قرار دیا۔(۱)

علامہ عبدالقاھر البغدادیؒ (۴۲۹ھ) نے مرجئۃ کے تین گرہوں کا ذکر کیا ہے:

۱۔ وہ جو ایمان اور اختیار میں ارجاء کی تعلیم دیتے تھے۔ اس گروہ میں غیلان ابو مروان الدمشقی اور ابوشمر محمد بن ابی شبیب البصری شامل تھے۔

۲۔ وہ جو ایمان اور جبر کے متعلق ارجاء کا عقیدہ رکھتے تھے۔

۳۔ وہ جو ایمان کو اعمال پر مقدم سمجھتے تھے۔ وہ نہ تو عقیدہ اختیار کے پیروکاروں میں شامل تھے اور نہ اہل جبر وقدر میں۔ آخر الذکر گروہ میں یونس بن عون، غسان، ابو ثوبان، ابومعاذ، اور بشر بن غیاث المریسی کے متبعین شامل ہیں۔(۲)

۳۔ معتزلہ

اس فرقہ کی اِبتدا بنو اُمیہ کے دور میں ہوئی۔ اس کا بانی واصل بن عطاء تھا جو ۸۰ ھ میں مدینہ میں پیدا ہوا اور ۱۳۱ھ میں ہشام بن عبد الملک کے زمانے میں فوت ہوا۔ یہ امام حسن بصریؒ (۱۱۰ھ) کے درس میں بیٹھتا تھا۔(۳)

---

(۱) عبدالقاھربغدادی، الفرق بین الفرق: ۲۰۲

(۲) عبد القاھر البغدادی، اَلفَرق بین الفِرقُ: ۱۹۱

(۳) ۱۔ ذھبی، میزان الاعتدال، ۴: ۳۲۹

۲۔ ذھبی، سیر أعلام النبلاء، ۵: ۴۶۵

علامہ عبد الکریم شہرستانیؒ (۵۴۸ھ) اپنی شہرہ آفاق کتاب ’’الملَل و النِّحَل‘‘ میں معتزلہ کی اِبتداء کے بارے میں بیان کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالی ایک دن اپنے حلقۂ درس میں بیٹھے طلبا کو پڑھا رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: جناب! ہمارے زمانے میں ایک ایسا گروہ (خوارج) پیدا ہوا ہے جس کا کہنا ہے کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے۔ ان کے نزدیک کبیرہ گناہ کفر ہے اور اس کا مرتکب دین سے خارج ہو جاتا ہے۔ دوسرا گروہ (جو مُرجئہ کہلاتا ہے) اس بات کا قائل ہے کہ گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ان کے نزدیک اِیمان کے ہوتے ہوئے گناہِ کبیرہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا کیونکہ ان کے مذھب میں عمل اِیمان کا جزو نہیں ہے لٰہذا اِیمان کے ہوتے ہوئے اسی طرح معصیت کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی جس طرح کفر کے ہوتے ہوئے اِطاعت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ مختصر یہ کہ ان کے نزدیک اگر ایمان صحیح ہے تو گناہِ کبیرہ سے کفر لازم نہیں آتا۔ آپ ہماری اس حوالے سے کیا راہنمائی فرماتے ہیں؟ (۱)

امام حسن بصریؒ اس بارے میں تفکر کرنے لگے۔ ابھی جواب نہیں دے پائے تھے کہ واصل بن عطاء نے خود ہی کہا:

أنا لا أقول إنّ صاحب الكبيرة مؤمن مطلقًا ولا كافراً مطلقًا بل هو في منزلة بين المنزلتين لا مؤمن ولا كافر.ثم قام و إعتزل إلى اُسطوانة من اُسطوانات المسجد، يقرّر ما أجاب به على جماعة من أصحاب الحسن، فقال الحسن: إعتزل عنا واصل. فسمّي هو وأصحابه معتزلة۔ (۲)

(۱) شہرستانی، المِلَل و النِّحَل، ۱: ۶۰

(۲) ۱۔ شہرستانی، المِلَل و النِّحَل، ۱: ۶۰

۲۔ ذھبی، سیر اعلام النبلاء، ۵: ۴۶۴

۳۔ عبد القاھر البغدادی، اَلْفَرق بین الفِرق، ۲۱، ۱۱۸

''میں یہ نہیں کہتا کہ کبائر کا مرتکب مطلقاً مومن ہوتا ہے یا مطلقاً کافر، بلکہ وہ ان دونوں درجات کے ما بین ہوتا ہے۔ یعنی نہ وہ مؤمن ہوتا ہے اور نہ کافر۔ پھر وہ کھڑا ہوا اور مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کی طرف الگ ہو کر اِمام حسن بصریؒ کے تلامذہ میں اس عقیدے کی تلقین بھی شروع کر دی۔ اس پر امام حسن بصریؒ نے فرمایا: إعتزل عنا واصل یعنی واصل ہم سے الگ ہو گیا۔ اسی وجہ سے اسے اور اس کے ساتھیوں کو ''معتزلہ'' کہا جاتا ہے''

علامہ ابن منظور (۷۱۱ھ) نے معتزلہ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے ''لسان العرب'' میں لکھا ہے:

زَعَمُوا اَنَّهُمُ اعْتَزَلُوْا فِئَتَی الضَّلَالَة عندَهُمْ یَعْنُونَ اَهْلَ السُّنةِ وَ الْجَمَاعَةِ وَ الخَوَارِجِ۔(۱)

''یعنی ان لوگوں کا خیال تھا کہ انہوں نے بقول ان کے گمراہ فرقوں یعنی اہل سنت اور خوارج سے علیحدگی اختیار کر لی ہے''۔

واصل بن عطاء اپنے سے ما قبل کی بدعتوں سے بھی متأثر تھا۔ اس نے اپنے سننے والوں کو درج ذیل بدعتوں کی دعوت دی۔

۱۔ اُمّتِ محمدیہ ﷺ میں سے جو فاسق ہے وہ کفر اور ایمان کے دو درجات کے درمیان ہے۔(۲)

۲۔ مسئلہ قدر میں اس نے معبد الجہنی کی رائے کو اِختیار کیا مگر فرق صرف یہ ہے کہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کے وقوع سے قبل اُن کو جاننے والا ہے مگر اَفعالِ شر کا صدور

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۱۱: ۴۴۰

(۲) ۱۔ ذھبی، سیر اعلام النبلاء، ۵: ۴۶۴

۲۔ الشہرستانی، **المِلَل و النِّحَل**، ۱: ۶۰

۳۔ عبد القاھر البغدادی، الفرق بین الفرق: ۱۱۸

اللہ کی مشیت اور ارادہ سے نہیں ہوتا۔(۱)

۳۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفات کی نفی کا قائل تھا۔(۲)

۴۔ اس کے نزدیک متحارب صحابہ میں سے ایک گروہ لا محالہ فاسق ہے اور یہ کہ ان میں سے کسی کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔(۳)

معتزلہ کا دوسرا اہم مسئلہ خلقِ قرآن کا تھا۔ یہ وہ ہنگامہ خیز مسئلہ تھا جس نے ایک صدی سے زائد عرصے تک عالمِ اسلام کو جدل و مناظرہ میں اُلجھائے رکھا۔ اس کو اَوّل اَوّل الجعد بن درہم نے پیش کیا۔ اس سے الجہم بن صفوان نے اخذ کیا اور ہارون الرشید کے عہدِ خلافت میں بشیر المریسی نے تقریباً چالیس سال تک اس کی باقاعدہ تبلیغ و اشاعت کی۔ ہارون الرشید اس کا مطلق حامی نہ تھا لیکن مامون نے نہ صرف اس کی حمایت و تائید کا بیڑا اُٹھایا بلکہ اس کو سرکاری عقیدہ قرار دے دیا اور اس کی مخالفت کرنے والے بڑے بڑے محدّثین و فضلاء کو سزا و تعزیر کا مستحق گردانا۔

۴۔ جَھُمِیَّہ

اس فرقہ کا بانی ابومُحرِز جہم بن صَفوان (۱۲۸ھ) تھا جو قدیم زمانہ کے علماے الٰہیات میں سے تھا۔ یہ بنی راسب (جو ازد کا ایک خاندان ہے) کا مولیٰ تھا۔ان کا ذکر الحارث بن سریج کے کاتب کے طور پر آتا ہے جس نے بنو اُمیہ کے خلاف بغاوت کی تھی اور ۱۱۶ھ/۷۳۴ء سے ۱۲۸ھ/۷۴۵ء تک مشرقی خراسان کے ایک حصے کا - بعض اوقات

(۱) ۱۔ عبد القاهر البغدادی، الفرق بین الفرق:۱۱۷، ۱۱۹
۲۔ شهرستانی، الملل و النحل، ۱:۵۸
(۲) ۱۔ عبد القاهر البغدادی، الفرق بین الفرق:۱۱۷، ۱۱۹
۲۔ شهرستانی، الملل و النحل، ۱:۵۸
(۳) ۱۔ عبد القاهر البغدادی، الفرق بین الفرق:۱۱۷، ۱۱۹
۲۔ شهرستانی، الملل و النحل، ۱:۵۸

ترکوں کے اشتراک میں - فرمانروا بھی رہا تھا۔ حارث بن سریج کی گرفتاری سے چند روز پہلے ۱۲۸ھ میں جہم بن صفوان کو گرفتار کرکے قتل کر دیا گیا۔ (۱)

جَہم بن صَفوان کے ذاتی خیالات کے حوالے سے یقین کے ساتھ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے ہندی فرقہ سُمَنِیَّه کے رد میں وجودِ باری تعالیٰ پر دلائلِ عقلیہ پیش کیے تھے۔ (۲) اس کے علاوہ دیگر تصورات جو ان کی طرف منسوب کیے گئے ہیں وہ فرقۂ جہمیہ کے ہیں جس کا ذکر اس کی وفات کے ستّر سال بعد سننے میں آتا ہے۔ (۳)

جہاں تک فرقۂ جہمیہ کے عقائد کا تعلق ہے تو انہوں نے عقیدۂ جبر کی اِنتہائی شکل کو اِختیار کیا جس کی رو سے اِنسانوں کی طرف فعل کی نسبت محض مجازی ہے جیسا کہ غروب ہونے میں سورج کا فعل محض مجازی ہے۔ اِن کا عقیدہ تھا کہ قرآن مخلوق ہے۔ وہ اِس بات کا اِنکار کرتے تھے کہ اللہ کے لیے کوئی مستقل صفتِ علم ثابت ہے۔ ان کے نزدیک حوادثِ دنیوی کا علم اللہ کو ان کے ظہور کے بعد ہوتا ہے۔ بالعموم وہ تمام صفاتِ اِلٰہیہ کے علیحدہ وجود کا اِنکار کرتے تھے۔ اسی لیے ان پر ’’تعطیل‘‘ کا اِلزام عائد کیا گیا تھا یعنی وہ اللہ کو محض ایک مجرّد ہستی ٹھہراتے تھے جس کی وجہ سے اِنہیں ’’معطّله‘‘ بھی کہا جاتا تھا۔ قرآن میں جو صفات جیسے یَد، وَجہ وغیرہ اللہ کی طرف منسوب کی گئی ہیں وہ ان کی عقلی تاویل کرتے تھے۔ اِیمان کے بارے میں اِن کے عقائد مُرجئه کے عقائد سے مماثل تھے۔ (۴)

---

(۱) طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۱۵۷۰، ۱۵۷۷، ۱۵۸۳

(۲) احمد بن حنبل، الرد علی الجهمیه، ۵: ۳۱۳

(۳) طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۱۹۱۸

(۴) ۱۔ الأشعری، مقالات، ۱: ۲۷۹

۲۔ احمد بن حنبل، الرّد علیٰ الزّنادقة والجهمیة، ۵: ۳۱۳

۳۔ ذهبی، سیر اعلام النبلاء، ۶: ۲۶

۴۔ عبد القاهر البغدادی، الفرق بین الفرق: ۲۱۱، ۲۱۲

۵۔ روافض و باطنیہ

علامہ ابن جوزیؒ (۵۹۷ھ) ’’تلبیس اِبلیس‘‘ میں روافض کی اِبتداء اور ان کے عقائد کے بارے میں بیان کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں:

كما لبس اِبليس على هؤلاء الخوارج حتى قاتلوا على ابن أبى طالب. حمل آخرين على الغلو فى حبه. فزادوه على الحد فمنهم من كان يقول هو الآله: ومنهم من يقول هو خير من الأنبياء. ومنهم من حمله على سب أبى بكر وعمر حتى إن بعضهم كفر أبا بكر وعمر۔(۱)

’’جس طرح اِبلیس نے خوارج کو گمراہ کیا حتی کہ انہوں نے سیدنا علیؓ سے جھگڑنا شروع کر دیا اسی طرح اس نے بعض دوسرے لوگوں کو حضرت علیؓ کی محبت میں غلو کی وجہ سے راہِ ھدایت سے دور کر دیا۔ چنانچہ یہ لوگ حبِ علیؓ میں حدود سے بڑھ گئے ان میں سے بعض لوگوں نے حضرت علیؓ کو اِلٰہ اور بعض نے خیر من الأنبیا اور بعض دوسروں نے حضرت ابو بکرؓ وعمرؓ کو سبّ وشتم کرنا شروع کر دیا۔‘‘

علامہ اِبراہیم حلبیؒ (۹۵۶ھ) ’’غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی‘‘ میں غالی روافض کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و أما لو كان مؤديا الى الكفر فلا يجوز أصلاً كالغلاة من الروافض الّذين يدعون الالُوهية لعلى رضی اللہ عنہ أو أن النبوة كانت له فغلط جبرائيل و نحو ذالک ممّا هو كفر و كذا من يقذف الصديقة أو ينكر صحبة الصديق أو خلافته أو يسبّ شيخين۔(۲)

---

(۱) ابن جوزی، تلبیس اِبلیس: ۹۷

(۲) حلبی، غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی: ۴۸۰

’’اگر ان (روافض) کی بدعت ان کو کفر تک پہنچا دے تو پھر ان کے پیچھے نماز بالکل جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ وہ غالی روافض جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے اُلوہیت کے مدعی ہیں یا جو کہتے ہیں کہ نبوت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے تھی اور جبرائیل سے غلطی ہوگئی یا اِس قسم کے اور عقائد رکھتے ہیں جو کفر ہیں یا اِسی طرح جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائے یا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت یا خلافت کا اِنکار کرے یا جو حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو سبّ و شتم کرے۔‘‘

علامہ ابن عابدین شامیؒ (۱۳۰۶ھ) ’’رد المحتار علی در المختار‘‘ میں روافض کے کفریہ عقائد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لا شک فی تکفیر من قذف السيدة عائشة رضی اللہ عنہا أو أنكر صحبة الصديق رضی اللہ عنہ أو إعتقد الأُلوهية في علي أو أن جبرائيل غلط فی الوحي أو نحو ذالک من الكفر الصريح المخالف للقرآن۔(۱)

’’اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر قذف کرے وہ کافر ہے یا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کرے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا مانے یا جو وحی لانے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی غلطی مانے وہ کافر ہے یا جو شخص قرآن کریم کی صریح مخالفت کرے وہ کافر ہے‘‘

ہم گذشتہ اَبواب میں قدرے تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ ’’محدثات الامور‘‘ اور إحداث و بدعات سے مراد ایسے فتنے ہیں جو اِرتداد پر مبنی ہوں اور دین کی بنیادی تعلیمات کو مسخ کرنے یا ان سے اِنکار کا موجب ہوں۔ مزید برآں

(۱) ابن عابدین شامی، ردّ المحتار علی درّالمختار، ۴: ۲۳۷

ان میں سے ہر فتنہ ''خروج عن الاسلام'' اور ''ارتداد'' کا باعث بنے۔ اور ''اِختلافِ کثیر'' بن کر اُمت کے اِتحاد کو پارہ پارہ کر دے۔ اِحداث و بدعت کے اس مفہوم کی روشنی میں وہ لوگ جو:

- حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اُلوہیت کا عقیدہ رکھیں۔
- وحی لانے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی غلطی مانیں کہ وحی تو حضرت علی پر لانی تھی مگر وہ غلطی سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لے آئے۔
- قرآنِ مجید میں تحریف یا ترمیم کا عقیدہ رکھیں۔
- جو اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر قذف کریں۔
- یہ عقیدہ رکھیں کہ حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد تین چار صحابہ کے سوا سب صحابہ مرتد ہوگئے تھے۔
- جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کریں۔

ان سب کا کفر قطعی اور یقینی ہے کیونکہ مذکورہ کفریہ عقائد سے اَساسِ دین میں اِس قدر تغیر اور بگاڑ واقع ہو جاتا ہے کہ ان سے دین کی شکل بگڑ جاتی ہے جس کے نتیجے میں اِسلام سے اِخراج یا اِرتداد لازم آتا ہے۔

علامہ ابن جوزی روافض کے عقائد و احوال بیان کرنے کے بعد **باطنیہ** کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> **الباطنية قوم تستروا بالإسلام ومالوا إلى الرفض وعقائدهم وأعمالهم تباين الإسلام بالمرة فمحصول قولهم تعطيل الصانع وإبطال النبوة والعبادات وإنكار البعث ولكنّهم لا يظهرون هذا في اول أمرهم.بل يزعمون أنّ الله حق وأنّ محمداً رسول الله**

والدّين صحيح لکنهم يقولون لذٰلک سرّ غير ظاهر وقد تلاعب بهم إبليس فبالغ وحسّن لهم مذاهب مختلفة۔(۱)

’’باطنیہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اِسلام کو چھپاتے ہیں اور اس کے اِنکار کی طرف راغب ہیں۔ ان کے عقائد و اعمال کلی طور پر اسلام کے خلاف ہیں۔ مثلاً ان کے عقیدے کے مطابق کائنات کے خالق کی حیثیت معطل ہے۔ مزید برآں وہ نبوت، عبادات، اور بعثت کا اِبطال کرتے ہیں لیکن وہ اِبتدائی طور پر اس اَمر کا اِظہار نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ اللہ حق ہے، محمد ﷺ اللہ کا رسول ہے اور دین صحیح ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ ایک سرّ اور غیر ظاہر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان نے انہیں دھوکے میں رکھا اور مختلف گمراہ مذاہب حسین کر کے دکھائے۔‘‘(۲)

۶۔ قدریہ

کفار و مشرکین اپنے شرک اور اَعمالِ فاسدہ کو جواز فراہم کرنے کے لیے تقدیر کا سہارا لیتے تھے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں قرآنِ حکیم میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَوْ شَآءَ اللهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ.(۳)

’’اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی بھی چیز کی پرستش نہ کرتے، نہ ہی ہم اور

---

(۱) ابن جوزی، تلبیس اِبلیس: ۱۰۲

(۲) باطنیہ اور اس کے دیگر فرقِ باطلہ کی تفصیلات کے لیے عبد القاہر بغدادی کی ’’الفرق بین الفِرق (ص: ۱۱۴)‘‘، ابن تیمیہ کی ’’مجموع الفتاوی (۲۸: ۴۶۸۔۴۸۴) اور ابوزہرہ کی ’’تاریخ المذاهب الإسلامية (ص: ۴۴۔۵۹)‘‘ ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) القرآن، النحل، ۱۶: ۳۵

نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم اس کے (حکم کے) بغیر کسی چیز کو حرام قرار دیتے۔‘‘

ان کفّار و مشرکین کا مدعا یہ تھا کہ اگر اﷲ کے نزدیک ہمارے یہ اعمال ناپسندیدہ ہوتے تو وہ سختی سے ہمیں ان سے منع کر دیتا اور ہم وہ کام کرنے کے قابل نہ رہتے۔ اﷲ ﷯ نے اُن کے ان شبہات کا ردّ کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُo (۱)

’’تو کیا رسولوں کے ذمہ (اﷲ کے پیغام اور احکام) واضح طور پر پہنچا دینے کے علاوہ بھی کچھ ہے؟‘‘

اِرشادِ باری تعالیٰ کا مطلب یہ ہے کہ اے منکرینِ حق! معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرح تم گمان کرتے ہو کہ اﷲ نے تمہیں ان اعمالِ باطلہ سے منع نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس اُس نے تمہیں اِن اُمور سے سختی سے منع کیا ہے اور ان سے بچتے رہنے کی تاکید کی ہے۔ اس مقصد کے حصول اور پیغامِ حق کے اِبلاغ کے لیے اُس نے ہر اُمت اور اِنسانوں کے ہر طبقے میں اپنے رسول بھیجے۔ (۲)

مشرکینِ قریش تقدیر کے بارے میں جھگڑا کرتے تھے اور اﷲ کی عبادت اور اس کی وحدانیت کو ترک کرنے میں اسے حجت ٹھہراتے تھے۔ حضور ﷺ نے اپنے صحابہ اور اُمت کو قدریہ کے خیالات و نظریات سے دور رہنے اور ان سے قطع تعلقی کی تلقین کی ہے اور قدریہ کو اس اُمت کے مجوسی قرار دیا ہے۔ **اِمام اَبو داوٗد** (۲۷۵ھ) نے کتاب السنۃ میں نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

القدرية مجوس هذه الأمة إن مرضوا فلا تعودوهم وإن ماتوا فلا

(۱) القرآن، النحل، ۱۶: ۳۵

(۲) ابنِ کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۱۹۳

تشهدوهم۔ (۱)

’’قدریہ اس اُمت کے مجوس ہیں۔ اگر یہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شریک نہ ہونا‘‘

مسئلہ قدر پر بحث و تمحیص کا آغاز دورِ صحابہ کے آخر میں عبد الملک بن مروان بن حکم (۸۶ھ) کے عہد میں ہوا۔ (۲) پہلا شخص جس نے تقدیر پر کلام کیا **معبد الجهنی** تھا۔ (۳) اِمام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ قدر پر سب سے پہلے بحث کا آغاز اہلِ عراق میں سے سوسن (۴) نامی شخص نے کیا جو پہلے نصرانی تھا پھر مسلمان ہوا اور اس کے بعد دوبارہ عیسائی ہو گیا۔ اس کے نظریات کو معبد الجہنی نے اِختیار کیا جسے عبدالملک بن مروان نے ۸۰ھ میں قتل کروا دیا تھا (۵) اور معبد الجہنی سے اس عقیدے کو غیلان بن مسلم الدمشقی نے لیا اور آگے پھیلایا۔ (۶)

معتزلہ نے قدر کے حوالے سے یہ موقف اِختیار کیا کہ اللہ تعالی اَفعال العباد کو ان کے وقوع سے قبل جاننے والا ہے لیکن اَفعالِ شر اس کی مشیت اور تخلیق میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ فقط بندوں کے اَفعال ہیں۔ اس کے بعد قدریہ کے کئی گروہ بن گئے اور ہر فرقہ دوسرے کی تکفیر کرنے لگا۔ (۷)

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب السنة، باب فی القدر، ۴:۲۲۲، رقم: ۴۶۹۱
۲۔ ابن أبی عاصم، کتاب السنة، ۱:۱۴۴
۳۔ أحمد، المسند، ۵:۴۰۶

(۲) ذهبی، سیر أعلام النبلاء، ۴:۲۶۴

(۳) ابن أثیر، الکامل فی التاریخ، ۴:۷۵

(۴) ابن حجر عسقلانی، تهذیب التهذیب، ۱۰:۲۲۶

(۵) ذهبی، العبر فی خبر من غبر، ۱:۶۸

(۶) ۱۔ الالکائی، إعتقاد أهل السنة والجماعة، ۱:۴۲۱، رقم: ۱۳۹۸
۲۔ ابن کثیر، البدایة والنهایة، ۹:۳۴

(۷) عبد القاهر بغدادی، الفرق بین الفرق: ۱۱۴

www.MinhajBooks.com منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

معتزلہ کہتے تھے کہ عدلِ اِلٰہیہ کا تقاضا ہے کہ اگر انسان کے لئے سزا اور جزا کا مستوجب ہونا ضروری ہے تو اس کا اپنے اَفعال میں آزاد ہونا بھی ضروری ہے۔ (۱)

قرونِ اُولیٰ میں مستحبات پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا تھا

قرونِ اُولیٰ میں مستحبات اور مستحسنات یعنی نیکی اور بھلائی کے اُمور پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا تھا۔ حضور ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں ہی اِحداث و بدعت کے مفہوم اور اس کے دائرے کو متعین فرما کر واضح کر دیا تھا کہ کس سطح کے اُمور مُحدثات و بدعات ہوں گے اور کون سے نہیں۔ اگر ہر نئے کام کو اس کی ماہیئت، افادیت، مقصدیت اور مشروعیت کا تجزیہ کیے بغیر بدعت قرار دے کر مذموم تصور کر لیا جائے تو عہدِ خلافتِ راشدہ سے لے کر آج تک لاکھوں شرعی، اِجتہادی اور اجتماعی فیصلے، اَحکام، مذہبی رسوم اور معاملات معاذ اللہ ضلالت و گمراہی قرار پاتے اور ہمیشہ کے لئے دینی معاملات میں اِجتہاد و استحسان اور مصالح و استصلاح کا دروازہ بند ہو جاتا جس سے لامحالہ بدلتے ہوئے حالات میں اسلام کا قابلِ عمل ہونا بھی ناممکن ہو جاتا۔ پس اگر کوئی عمل نہ قرآن میں مذکور ہو اور نہ ہی رسول ﷺ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہو اور بعدازاں اُمت کے صلحاء و علماء از خود کسی نئے عمل یعنی ''بدعت مباحہ'' کو اپنا لیں لیکن اس کا محرّک رضائے اِلٰہی کا حصول ہو تو إنما الاعمال بالنیات (۲) کے تحت یہ بدعت بھی عند اللہ مقبول اور باعث اجر و ثواب قرار پا جائے گی، اسی کو بدعتِ حسنہ یا امرِ مستحسن کہتے ہیں۔

نیکی اور بھلائی کے چھوٹے چھوٹے اُمور پر بدعت اور اِحداث کا اِطلاق کرنا

---

(۱) الشہرستانی، الملل والنحل، ۱: ۵۴

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ ﷺ، ۱: ۳، رقم: ۱

۲۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الطلاق، باب فیما عنی بہ الطلاق والنیات، ۲: ۲۷۲، رقم: ۲۲۰۱

۳۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب الزھد، باب النیۃ، ۲: ۱۴۱۳، رقم: ۴۲۲۷

بذاتِ خود محدثۃ اور ضلالۃ ہے۔ اِسی طرح دین کے اُمورِ صالحات، نفلی عبادات اور خیرات وصدقات یہ سب نہ دین کی ضروریات میں سے ہیں اور نہ ہی ضروریاتِ دین میں اضافہ ہیں لہٰذا ایسے جملہ اُمور کو بدعت کہنا فتنہ پروری اور حکمتِ دین کے خلاف ہے، کیونکہ حضور ﷺ اور خلفاءِ راشدین نے دین میں اِحداث اور بدعت صرف فتنہءِ اِرتداد، فتنہءِ انکارِ زکوٰۃ اور فتنہءِ اِدعائے نبوت کی سطح کے اُمور کو کہا ہے اور اِس کے علاوہ دیگر تمام مستحبات ومستحسنات اورحسنات وصالحات کی تحسین کی ہے۔

ہر نئی چیز کو بدعت جان کر گمراہی پر محمول کرنا نہ صرف ایک غلط فہمی اور مغالطہ ہے بلکہ علمی وفکری اعتبار سے باعثِ ندامت اور قابلِ افسوس نقطۂ نظر بھی ہے۔ اگر بدعت کے اس مفہوم کو گمراہی کا معیار قرار دے دیا جائے تو عصرِ حاضر اور اس کے بعد ہونے والی تمام علمی وسائنسی ترقی سے آنکھیں بند کر کے ملت اسلامیہ دوسری تمام غیر دینی، باطل اور طاغوتی اقوام وملل کے مقابلے میں عاجز ومحتاج اورعصری تقاضوں سے نابلد ونا آشنا ہو کر رہ جائے گی۔ وعدۂ خداوندی کے تحت دینِ اسلام کو تمام اَدیانِ باطلہ پر غالب کرنے اور اسلامی تہذیب وثقافت، مذہبی اقدار اور نظامِ حیات میں برتری اور اِرتقاء کے حصول کی تمام کوششیں غیر مؤثر ٹھہریں گی۔ دین کی اِسی حکمت کے پیشِ نظر قرونِ اُولیٰ میں اِجتہادی اور اِستحبابی نوعیت کے نئے اُمور پر بدعتِ ضلالت کا اِطلاق نہیں ہوتا تھا بلکہ ضرورت ومصلحتِ دین کے تحت ایسے اِجتہادات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔اس حوالے سے چند نظائر وواقعات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ جمع وتدوینِ قرآن کے لیے جب حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے خلیفۂ وقت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ حالات کا تقاضا ہے کہ قرآن کو فوری طور پر ایک کتابی صورت میں یکجا کر دیا جائے تاکہ اس کی حفاظت کا مستقل انتظام ہو سکے تو اِبتداءً سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ذہن فوراً اس طرف گیا کہ جو کام حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں نہیں کیا وہ میں کیوں کروں لہٰذا انہوں نے فرمایا: كيف أفعل شيئا؟ ما لم يفعله رسول الله

ﷺ؟[(۱)] (میں ایسا کام کیسے کرسکتا ہوں جسے رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بصیرت افروز نگاہیں اُس حکمت و مصلحت اور بھلائی کا مشاہدہ کر رہی تھیں جو جمعِ قرآن میں مضمر تھی، لہٰذا انہوں نے جواب دیا: اے امیرالمومنین! درست ہے کہ یہ کام ہمارے آقا ﷺ نے بوجوہ اپنی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں نہیں کیا لیکن هو و الله خير[(۲)] (اللہ کی قسم! یہ بہت اچھا اور بھلائی پر مبنی ہے)، لہٰذا ہمیں اسے ضرور کرنا چاہیے۔

اس گفتگو کے دوران سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو انشراح صدر نصیب ہوا لہٰذا انہوں نے جب حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو جمعِ قرآن کے بارے میں فرمایا تو ابتدائی طور پر ان کے ذہن میں بھی وہی سوالات پیدا ہوئے جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں ابھرے تھے لہٰذا کہنے لگے: **كيف تفعلان شيئا؟ لم يفعله النبی ﷺ فقال: أبوبكر هو والله خير**[(۳)] (آپ وہ کام کس طرح کرتے ہیں جس کو حضور ﷺ نے نہیں کیا؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم یہ بہتر کام ہے)۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب قوله لقد جاءكم رسول، ۴: ۱۷۲۰، رقم: ۴۴۰۲

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاحکام، باب یستحب للکاتب أن یکون امیناً عاقلاً، ۶: ۲۶۲۹، رقم: ۶۷۶۸

۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب من سورة التوبة، ۵: ۲۸۳، رقم: ۳۱۰۳

۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۷، رقم: ۲۲۰۲

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۳، رقم: ۷۶

۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۰: ۳۶۰، رقم: ۴۵۰۶

۷۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۵: ۱۴۶، رقم: ۴۹۰۱

(۲) ایضاً

(۳) بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب قوله لقد جاءكم رسول، ۴: ۱۷۲۰، رقم: ۴۴۰۲

مذکورہ حدیث مبارکہ میں اہم بات یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر کہ **کیف تفعلان شیئاً لم یفعله النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور نہ ہی اس کام کے نیا ہونے کا انکار کیا ہے بلکہ ان کے سوال کے جواب میں حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ دہرائے کہ ''**هو والله خیر**'' اس سے یہ ثابت ہوا کہ **قرونِ اُولیٰ میں ہر وہ نیا کام جو مبنی بر حکمت و مصلحت اور موافقِ دین ہوتا نہ صرف اسے جائز تصور کیا جاتا بلکہ ایسے اُمور کا بجا لانا سنت صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھا۔**

۲۔ اَحادیثِ مبارکہ میں مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں رمضان المبارک میں تین راتیں نمازِ تراویح با جماعت پڑھائی۔ اس کے بعد فرض ہو جانے کے خوف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری زندگی گھر میں ہی پڑھتے رہے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی انفرادی طور پر اپنی اپنی نمازِ تراویح پڑھ لیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اڑھائی سالہ دورِ خلافت میں بھی صحابہ کا یہی معمول رہا۔ جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا اور آپ نے دیکھا کہ رمضان المبارک میں لوگ مختلف شکلوں میں نمازِ تراویح ادا کر رہے ہیں۔ تو اس خیال سے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے اندر مساجد کو آباد کرنے کا ذوق بھی کم ہوسکتا ہے اور اگر صورتحال یہی رہی تو عین ممکن ہے کسی وقت لوگ نمازِ تراویح پڑھنا ہی ترک کر دیں، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس قصد کو پختہ فرما کر سب کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے جو حافظِ قرآن تھے نماز تراویح با جماعت پڑھنے کے لئے مجتمع فرمایا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عبد القاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں جب دوسری رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلا تو دیکھا کہ لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نعم البدعة هذه والتی ینامون عنها أفضل من التی یقومون یرید

آخر اللیل و کان الناس یقومون أوّله۔ (۱)

”یہ کتنی اچھی بدعت ہے اور رات کا وہ حصہ جس میں لوگ سو جاتے اس سے بہتر وہ حصہ ہے جس میں وہ قیام کرتے ہیں مراد رات کا آخری حصہ تھا جبکہ لوگ پہلے حصے میں قیام کرتے تھے۔“

اس روایت میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خود ”نعم البدعة هذه“ فرما کر واضح کر دیا کہ دین میں ہر نیا کام بدعتِ ضلالہ نہیں ہوتا بلکہ بے شمار نئے اُمور حسنہ بھی ہوتے ہیں وگرنہ آج تک اُمتِ مسلمہ کے جو اَفراد رمضان المبارک کی بابرکت راتوں میں مساجد میں نماز تراویح کی صورت میں اکٹھے ہوکر قرآن سنتے ہیں یہ بھی ناجائز ہوتا مگر ہمیشہ یہ امر مستحسن رہا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ دورِ صحابہ میں مبنی بر خیر نئے اُمور کو اِستحسان کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور ہر نئے عمل پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا تھا۔

۳۔ **اِمام بخاریؒ** (۲۵۶ھ) مساجد میں نمازِ جمعہ سے قبل جو دوسری اَذان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أنّ التأذین الثانی یوم الجمعة أمر به عثمان بن عفّان حین کثر أهل المسجد۔ (۲)

(۱) ا۔ بخاری، الصحیح، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان، ۲: ۷۰۷، رقم: ۱۹۰۶
۲۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰
۳۔ ابن خزیمة، الصحیح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰
۴۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹
۵۔ بیهقی، شعب الایمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

(۲) ا۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجمعه، باب الجلوس علی المنبر، ۱: ۳۱۰، رقم: ۸۷۳
۲۔ شمس الحق، عون المعبود، ۳: ۳۰۲

’’جمعہ کے دن دوسری اذان (یعنی وہ اَذان جو وعظ سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ یہ ترتیب میں پہلی اَذان ہے۔) کا حکم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیا جب مسجد میں آنے والوں کی تعداد زیادہ ہوگئی۔‘‘

علامہ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) جمعہ کی پہلی اذان کو بدعت حسنہ قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ومن ذلک أذان الجمعة الأوّل زاده عثمان لحاجة الناس إليه، و أقرّه عليٌّ واستمرّ عمل المسلمين عليه. وروى عن ابن عمر أنه قال: هو بدعة، ولعلّه أراد ما أراد أبوه فى قيام شهر رمضان۔(۱)

’’اور اسی طرح جمعہ کی پہلی اذان ہے جس کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر زیادہ کیا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر قائم رہے اور اس پر لوگوں نے عمل کرنا شروع کر دیا۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے جمعہ کی دوسری اَذان کے بارے میں فرمایا کہ وہ بدعت ہے۔ شاید ان کی مراد بھی وہی ہو جو ان کے والد کی قیامِ رمضان کے بارے میں تھی (یعنی یہ **نعم البدعة** ہے)۔‘‘

مذکورہ بالا تینوں اُمور اگرچہ حیاتِ نبوی میں موجودہ صورت میں رواج پذیر نہیں تھے لیکن چونکہ مبنی بر خیر و حکمت تھے لہٰذا صحابہ و تابعین سے لے کر آج تک اَفرادِ اُمت اِن پر عمل کرتے چلے آ رہے ہیں اور اِن اُمورِ حسنہ پر کسی نے بھی کبھی بدعتِ ضلالت کا اِطلاق نہیں کیا۔

------- ۳۔ وادياشى، تحفة المحتاج، ۱: ۵۰۶، رقم: ۶۲۴

۴۔ شوکانی، نيل الاوطار، ۳: ۳۲۳

(۱) ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۳: ۲۵۲

تابعین اور تبع تابعین اہلِ بدعت سے اِجتناب کرتے تھے

حضور ﷺ نے دینِ اسلام کے خلاف اِحداث و بدعت کے مرتکبین اور فتنہ پروروں کی شدید مذمت فرمائی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین اور تبع تابعین رحمھم اللہ تمام اپنے اپنے ادوار میں اَہلِ بدعت اور اَہلِ ہوا سے اجتناب کرتے تھے اور عام لوگوں کو بھی ان سے دور رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ ذیل میں ہم نفسِ مضمون سے متعلق پہلے چند اَحادیثِ نبویہ پیش کریں گے پھر اس کے بعد اسی حوالے سے تابعین اور تبع تابعین کے اقوال درج کریں گے جس سے یہ حقیقت مترشح ہو جائے گی کہ اَخیارِ اُمت شروع سے ہی اہلِ بدعت سے اِجتناب کرتے چلے آرہے ہیں۔

۱۔ **امام بخاریؒ** (۲۵۶ھ) اور **امام مسلمؒ** (۲۶۱ھ) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ اِرشاد نقل کیا ہے جس میں آپ ﷺ نے نئے فتنے پیدا کرنے والے بدعتیوں کی مذمت کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

المدينة حرم ما بين عير إلی ثور فمن أحدث فيها حدثا أو آوی مُحْدِثًا فعليه لعنة الله و الملٰئِكة و النّاس أجمعين لا يقبل منه يوم القيامة صرفٌ و لا عدلٌ۔(۱)

(۱) ۱۔بخاری، الصحيح، كتاب الفرائض، باب إثْمِ من تبرّأ من مواليه، ۶: ۲۴۸۲، رقم: ۶۳۷۴

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحج، باب فضل المدينة، ۲: ۹۹۵، رقم: ۱۳۷۰

۳۔ ابو عوانه، المسند، ۳: ۲۳۹، رقم: ۴۸۱۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۸۱، رقم: ۶۱۵

۵۔ ابو يعلی، المسند، ۱: ۲۲۸، رقم: ۲۶۳

۶۔ بيهقی، السنن الكبری، ۵: ۱۹۶، رقم: ۹۷۳۳

’’مدینہ منورہ مقامِ عیر سے لے کر مقامِ ثور تک حرم ہے۔ جس نے اس میں کوئی فتنہ پیدا کیا یا کسی فتنہ پرور کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے، قیامت کے روز نہ اس کا کوئی فرض قبول ہوگا اور نہ نفل‘‘

۲۔ **اِمام ابن ماجہؒ** (۲۷۳ھ) نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِرشاد نقل کیا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دین میں نئے فتنے پیدا کرنے والوں کی کوئی عبادت قبول نہیں مزید برآں وہ دین سے ایسے خارج ہو جائیں گے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

لا يقبل الله لصاحب بدعة صومًا و لا صلوٰةً و لا صدقةً و لا حجًّا و لا عمرةً و لا جهادًا و لا صرفًا و لا عدلًا يخرج من الاسلام كما تخرج الشّعرة من العجين۔(۱)

’’اللہ تعالیٰ کسی فتنہ پرور کا روزہ، نماز، صدقہ، حج و عمرہ اور جہاد قبول نہیں کرتا اور نہ کوئی فرضی عبادت قبول کرتا ہے نہ نفلی، بدعتی اسلام سے ایسے خارج ہو جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔‘‘

۳۔ **اِمام ابو القاسم ہبۃ اللہ لالکائی** (۴۱۸ھ) نے عن هشام بن حسّان عن

۷۔ ابو نعیم اصبہانی، المسند المستخرج على صحيح الأمام مسلم، ۴: ۴۰، رقم: ۳۱۷۳

۸۔ طیالسی، المسند، ۱: ۲۶، رقم: ۱۸۴

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، باب اِجتناب البدع والجدل، ۱: ۱۹، رقم: ۴۹

۲۔ منذری، الترغيب و الترهيب، ۱: ۴۶، رقم: ۸۷

۳۔ کنانی، مصباح الزجاجة، ۱: ۱۰، رقم: ۱۸

۴۔ مناوی، فيض القدير، ۱: ۷۳

۵۔ مزی، تهذيب الكمال، ۲۶: ۳۷۴، رقم: ۵۵۸۳

الحسن کے طریق سے بھی اسی قسم کی ایک روایت نقل کی ہے۔[۱]

۴۔ **امام احمد بن حنبلؒ** (۲۴۱ھ) نے حضرت غضیف بن حرث الثمالی رضی اللہ عنہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اِرشاد نقل کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما أحدث قوم بدعة إلا رفع مثلها من السنّة فتمسّک بسنّة خير من إحداث بدعة۔[۲]

”جب کوئی قوم دین میں نیا فتنہ نکالتی ہے تو اس کے مثل ایک سنت اُٹھالی جاتی ہے لہٰذا سنت کو مضبوط پکڑنا نیا فتنہ نکالنے سے بہتر ہے۔“

۵۔ **اِمام طبرانیؒ** (۳۶۰ھ) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ حجب التوبة عن کلّ صاحب بدعة۔[۳]

---

(۱) لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۸۰

(۲) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۰۵، رقم: ۱۷۰۹۵

۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱: ۱۸۸

۳۔ منذری، الترغيب و الترهيب، ۱: ۴۵، رقم: ۸۳

۴۔ مناوی، فيض القدير، ۵: ۴۱۳

۵۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۱: ۲۶۶

۶۔ عبد الباقی، معجم الصحابة، ۲: ۳۱۶، رقم: ۸۵۵

(۳) ۱۔ ابن راہویہ، المسند، ۱: ۳۷۷، رقم: ۳۹۷

۲۔ ابن ابی عاصم، السنة، ۱: ۲۱، رقم: ۳۸

۳۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۴: ۲۸۱، رقم: ۴۲۰۲

۴۔ بیہقی، شعب الايمان، ۷: ۵۹، رقم: ۹۴۵۷

۵۔ منذری، الترغيب و الترهيب، ۱: ۴۵، رقم: ۸۷

۶۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱: ۱۸۹

۷۔ ابن جوزی، العلل المتناهية، ۱: ۱۴۵، رقم: ۲۱۱

’’اللہ تعالیٰ نے ہر فتنہ پرور پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔‘‘

۶۔ **امام بیہقی** (۴۵۸ھ) نے ابراہیم بن میسر سے حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

من وقّر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الاسلام۔(۱)

’’جس نے کسی فتنہ پرور کی تعظیم و توقیر کی تو گویا اس نے اسلام کو گرانے پر اس کی مدد اور اعانت کی۔‘‘

۷۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

ان الذين فرقوا دينهم و كانوا شيعا انما هم اصحاب البدع و اصحاب الاهواء و اصحاب الضلالة من هذه الاُمّة. يا عائشة ان لكلّ صاحب ذنب توبة غير اصحاب البدع و اصحاب الاهواء ليس لهم توبة و انا برئ منهم و هم مِنّا برآء۔(۲)

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۷: ۳۵
۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۷: ۶۱، رقم: ۹۴۶۴
۳۔ مناوی، فیض القدیر، ۶: ۲۳۷
۴۔ سیوطی، شرح سنن ابن ماجه، ۱: ۲۶۴، رقم: ۳۷۱۰
۵۔ ابو نعیم اصبہانی، حلیة الأولیا، ۵: ۲۱۸
۶۔ ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، ۲: ۲۸۱، رقم: ۵۶۷
۷۔ ذہبی، میزان الإعتدال فی نقد الرجال، ۲: ۷۳، رقم: ۱۳۳۱

(۲) ۱۔ أبو نعیم اصبہانی، حلیة الاولیا، ۴: ۱۳۸
۲۔ ابن ابی عاصم، السنة، ۱: ۸، رقم: ۴
۳۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۷: ۹۷
۴۔ شاطبی، الاعتصام، ۱: ۶۰

’’جن لوگوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور فرقوں میں بٹ گئے وہ اس اُمت کے فتنہ پرور، نفس پرست اور گمراہ طبقے ہیں۔ اے عائشہ رضی اللہ عنہا فتنہ پروروں اور خواہش پرستوں کے علاوہ ہر گنہگار کی توبہ قبول ہوتی ہے لیکن اِن کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ میں ان سے بیزار اور یہ مجھ سے بیزار ہیں۔‘‘

۸۔ **حضرت عبد اللہ بن عباس ﷺ** (۶۸ھ) آیت - یَّوۡمَ تَبۡیَضُّ وُجُوۡهٌ وَّتَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ(۱) - کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

تبیضّ وجوہ أهل السنّة و تسودّ وجوہ أهل البدعة۔(۲)

’’روشن چہرے اہل سنت کے ہوں گے اور سیاہ چہرے اہل بدعت کے ہوں گے۔‘‘

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (۷۳ھ) نے بھی یہی اَلفاظ حضور نبی اکرم ﷺ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کئے ہیں۔(۳)

۹۔ حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ، اِمام اَوزاعیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ **حضرت عطا خراسانیؒ** نے فرمایا:

ما یکاد اللہ أن یأذن لصاحب بدعة بتوبة۔(۴)

(۱) آل عمران، ۳: ۱۰۶

(۲) ۱۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۵: ۵۲۹

۲۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۴: ۱۰۷

۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۵۸۴

۴۔ سیوطی، مفتاح الجنة، ۱: ۶۵

(۳) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۴: ۱۰۸

(۴) ۱۔ اللالکائی، إعتقاد اھل السنة والجماعة، ۱: ۸۱

۲۔ ابو نعیم اصبہانی، حلیة الأولیا، ۵: ۱۹۸

۳۔ مزی، تہذیب الکمال، ۲۰: ۱۱۲

’’اللہ تعالیٰ کسی فتنہ پرور کی توبہ کو قبول نہیں کرتا‘‘

۱۰۔ یوسف بن اُسباط بیان کرتے ہیں کہ **محمد بن نضر الحارثی** نے فرمایا:

من أصغی سمعه إلی صاحب بدعة، وهو یعلم أنه صاحب بدعة، نزعت منه العصمة، و وُکِل إلی نفسه۔(۱)

’’جو اپنے کان فتنہ پروروں کی باتیں سننے پر لگائے حالانکہ وہ جانتا ہو کہ وہ فتنہ پرور ہیں تو اُس سے حفاظت کا ہاتھ اُٹھا لیا جاتا ہے اور اُسے اسکے نفس کے حوالے کر دیا جاتا ہے‘‘

۱۱۔ امام **حسن بصری** (۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:

لا تجالس صاحب بدعة فانّه یمرض قلبک۔(۲)

’’کسی فتنہ پرور کے پاس نہ بیٹھو کیونکہ وہ تمہارے دل کو بیمار کر دے گا۔‘‘

۱۲۔ اسماعیل الطّوسی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے **عبداللہ ابن مبارک** (۱۸۱ھ) نے فرمایا:

یکون مجلسک مع المساکین، و إیّاک أن تجالس صاحب بدعة۔(۳)

’’تیری مجلس صرف مساکین کے ساتھ ہونی چاہیے، فتنہ پروروں کی مجالست سے بچو۔‘‘

---

(۱) لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۷۸

(۲) ۱۔ شاطبی، الاعتصام، ۱: ۸۳
۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۴: ۳۷۴

(۳) ۱۔ لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۷۹
۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۷: ۶۴
۳۔ ابو نعیم اصبہانی، حلیة الأولیاء، ۸: ۱۰۴

۱۳۔ **امام اَوزاعیؒ** (۱۵۸ھ) بیان کرتے ہیں کہ یحییٰ بن ابی کثیرؒ نے فرمایا:

إذا لقيت صاحب بدعة في طريق، فخذ في غيره۔(۱)

''جب تو کسی فتنہ پرور سے کبھی راستہ میں ملے تو راستے کو بدل لے۔''

۱۴۔ حضرت **فضیل بن عیاضؒ** بدعتیوں سے دور رہنے اور ان سے رابطہ نہ رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے اِرشاد فرماتے ہیں:

لا تجلس مع صاحب بدعة، أحبط الله عمله، و أخرج نور الإسلام من قلبه. وإذا أحب الله عبدًا، طيب له مطعمه. و قال صاحب البدعة لا تأمنه على دينک، ولا تشاوره في أمرک، ولا تجلس إليه، فمن جلس إلى صاحب بدعة، ورثه الله العمىٰ. و قال فی مقام آخر إنّ للهِ ملائكة يطلبون حلق الذكر، فانظر مع من يكون مجلسک: لا يكون مع صاحب بدعة، فإن الله لا ينظر إليهم، و علامة النفاق أن يقوم الرجل و يقعد مع صاحب بدعة. و قال أدركت خيار النّاس كلهم أصحاب سنة، و ينهون عن أصحاب البدع. و قال لا يرفع لصاحب بدعة إلى الله عمل۔(۲)

''فتنہ پرور کے پاس مت بیٹھو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے عمل کو ضائع کر دیا ہے

(۱) ۱۔ لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱:۷۹
۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۷: ۶۰، رقم: ۹۴۶۲
۳۔ ابو نعیم اصبہانی، حلیة الأولیاء، ۳:۶۹
۴۔ ذهبی، سیر أعلام النبلاء، ۶:۲۹

(۲) ۱۔ لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۷۹-۸۰
۲۔ ابو نعیم اصبہانی، حلیة الأولیاء، ۸: ۱۰۳
۳۔ ذهبی، سیر أعلام النبلاء، ۸: ۴۳۵
۴۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۷: ۱۳

اور اسلام کا نور اس کے سینے سے نکال دیا ہے۔ جب اللہ تعالی کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کی خوراک کو پاک کر دیتا ہے ۔ مزید فرمایا کسی فتنہ پرور کو اپنے دین پر اَمین نہ بناؤ نہ اس سے مشورہ لو اور نہ اس کے پاس بیٹھو۔ کیونکہ جو کسی بدعتی کے پاس بیٹھا تو اللہ تعالی اس کا حشر اَندھوں کے ساتھ کرے گا۔ دوسرے مقام پر فرمایا اللہ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو ہر وقت مجالسِ ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں لٰہذا تو اس امر پر غور کر کہ تیرا ہم مجلس کون ہے۔ بدعتی کی مجالست اِختیار نہ کر کیونکہ اللہ تعالی اس پر نظرِ کرم نہیں فرماتا۔ نفاق کی علامت یہ ہے کہ کسی کی نشست و برخاست بدعتی کے ساتھ ہو۔ مزید فرمایا کہ میں نے تمام اَخیارِ اُمت کو اُصحابِ سنت پایا ہے جو کہ بدعتیوں سے مجتنب رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ فرمایا کہ بدعتی کا کوئی عمل قبولیت کے لیے اللہ کی طرف اُٹھایا نہیں جاتا۔‘‘

۱۵۔ علامہ ابنِ جریر طبریؒ (۳۱۰ھ) بیان کرتے ہیں کہ حضرت **سفیان بن عیینہؒ** نے فرمایا:

كلّ صاحب بدعة ذليل و تلا هذه الآية ﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾(۱)۔(۲)

’’ہر فتنہ پرور ذلیل ہے پھر استدلال میں یہ آیت پڑھی (بیشک جن لوگوں نے بچھڑے کو (معبود) بنالیا ہے انہیں ان کے رب کی طرف سے غضب بھی پہنچے گا اور دنیوی زندگی میں ذلت بھی)۔‘‘

۱۶۔ **امام حسن بصری** رضی اللہ عنہ (۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:

(۱) الأعراف، ۷: ۱۵۲

(۲) ۱۔ ابنِ جریر طبری، جامع البیان عن تأویل أي القرآن، ۹: ۷۰

۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲: ۲۹۵

۳۔ آلوسی، تفسیر روح المعانی، ۵: ۷۰

’’فتنہ پرور کے چہرے پر بدعت کی وجہ سے ذلت برستی رہتی ہے، اگرچہ وہ دنیاوی شان وشوکت رکھتا ہو۔‘‘(۱)

۱۷۔ **حضرت عبد اللہ ابن مبارکؒ** (۱۸۱ھ) فتنہ پروروں کی ظاہری نحوست بیان کرتے ہوئے اِرشاد فرماتے ہیں:

صاحب البدعة على وجهه الظلمة، وإن أدهن كل يوم ثلاثين مرّة۔(۲)

’’فتنہ پرور کے چہرے پر ظلمت چھائی رہتی ہے اگرچہ وہ دن میں اسے تیس مرتبہ ہی تر کیوں نہ کرے۔‘‘

۱۸۔ اِمام اُعمشؒ بیان کرتے ہیں کہ **حضرت ابراہیمؒ** نے فرمایا:

ليس لصاحب بدعة غيبة۔(۳)

’’بدعتی کی (فتنہ پروری کو واضح کرنا) کوئی غیبت نہیں ہے۔‘‘

۱۹۔ اسی طرح **امام حسن بصریؒ** (۱۱۰ھ) بیان فرماتے ہیں:

ثلاثة ليست لهم حرمة في الغيبة: أحدهم صاحب بدعة الغالي ببدعته۔(۴)

’’تین افراد ایسے ہیں جن کی غیبت کرنا حرام نہیں ہے: ان میں ایک غالی بدعتی ہے جو اپنی بدعت میں بہت غلو کرنے والا ہے۔‘‘

(۱) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲: ۳۹۵

(۲) لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۸۱

(۳) لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۸۱

(۴) ۱۔ لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۸۱

۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۷: ۱۱۰، ۹۶۶۹

۲۰۔ مؤمل بن اِسماعیل بیان کرتے ہیں کہ میں نے **حضرت سفیان ثوریؒ** (۱۶۱ھ) کو فرماتے ہوئے سنا:

المسلمون کلهم عندنا علی حالة حسنة إلا رجلين: صاحب بدعة، أو صاحب سلطان۔(۱)

''ہمارے نزدیک دو افراد کے علاوہ تمام مسلمان اچھی حالت پر ہوتے ہیں ان میں سے ایک فتنہ پرور اور دوسرا اُمراء کی دریوزہ گری کرنے والا ہے۔''

۲۱۔ آیت **فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ**(۲) کے تحت **علامہ محمود آلوسی بغدادیؒ** (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:

و استدل بعضهم بالآية علی تحريم مجالسة الفاسق و المبتدعين من ای جنس کانوا، و اليه ذهب ابن مسعود و ابراهيم و أبو وائل، و به قال عمر بن عبد العزيز۔(۳)

''بعض مفسرین نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے کہ ہر قسم کے فسّاق اور بدعتیوں کے ساتھ بیٹھنا حرام ہے اور یہی قول عبد اللہ بن مسعودؓ، ابراہیمؒ، ابو وائلؒ اور عمر بن عبد العزیزؒ کا ہے۔''

۲۲۔ **اِمام قرطبیؒ** (۶۷۱ھ) اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عن الضحاک قال دخل فی هذه الآية کل مُحدِث فی الدّين مبتدع الی يوم القيامة۔(۴)

(۱) لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۷۸

(۲) النساء، ۴: ۱۴۰

(۳) آلوسی، روح المعانی فی تفسير القرآن العظيم والسبع المثانی، ۳: ۱۷۴

(۴) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۵: ۲۶۸

’’امام ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے تحت ہر وہ شخص داخل ہے جو دین میں نئی بات نکالے اور قیامت تک ہر فتنہ پرور بھی اس میں شامل ہوگیا۔‘‘

۲۳۔ **علامہ فخر الدین رازیؒ** (۶۰۶ھ) آیت - اِنَّ الَّذِيۡنَ فَرَّقُوۡا دِيۡنَهُمۡ وَ كَانُوۡا شِيَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ[(۱)] کی تفسیر میں امامِ تفسیر **حضرت مجاہدؒ** (۱۰۲ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قال المجاهد إنّ الّذين فرّقوا دينهم من هذه الأمّة هم أهل البدع والشّبهات و اعلم انّ المراد من الآية الحثّ عن ان تكون كلمة المسلمين واحدة و ان لا يتفرّقوا فى الدّين و لا يبتدعوا البدع۔[(۲)]

’’حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس اُمت میں جن لوگوں نے دین کو پارہ پارہ کیا وہ فتنہ پرور اور اہل شبہات ہیں۔ آیت کا مقصود اُمت کو اِجتماعیت اور کلمۂ واحدہ پر آمادہ کرنا ہے اور یہ کہ دین میں فرقہ بندیوں اور بدعات سے احتراز کرے۔‘‘

قرونِ اُولیٰ میں بدعت کا اِطلاق صرف کفریہ عقائد پر ہوتا تھا

قرونِ اولیٰ میں لفظِ بدعت کا اِطلاق صرف کفریہ عقائد پر ہوتا تھا اور اس سے مراد ایسے فِتن تھے جو دین کی بنیادی تعلیمات کو مسخ کردیں یا ان کا انکار کردیں اور یہ ارتداد پر مبنی ہوں۔ لہٰذا بدعات ضلالۃ سے مراد چھوٹے اور ہلکی نوعیت کے اختلافات نہیں بلکہ ان سے مراد اس سطح کے فتنے ہیں کہ ان میں سے ہر فتنہ ’’خروج عن الاسلام‘‘ اور ’’ارتداد‘‘ کا باعث بنے۔ آپ ﷺ کی سنت اور امرِ دین کو کاٹے اور ’’اختلافِ کثیر‘‘ بن

(۱) الأنعام، ۶: ۱۵۹

(۲) رازی، تفسیر الکبیر، ۱۳: ۹

کر اُمت میں ظاہر ہو مثلاً اگر کوئی شخص دین کے بنیادی عقائد (ایمان باللہ، ملائکہ، سابقہ نازل شدہ کتب، انبیاء، یوم آخرت، تقدیر اور بعد از موت حیات پر اِیمان) میں سے کسی کا انکار، اسلام کے اَرکانِ خمسہ (ایمان باللہ و الرسول، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ) میں سے کسی کا انکار، یا ارکانِ اسلام میں کمی یا زیادتی، ختم نبوت کا انکار، تحریف قرآن (کمی یا زیادتی)، سنت کا انکار، کسی خارجی فتنہ کی طرح باطل مسلک کی بنیاد، جہاد کی منسوخی، سود کا جواز، وغیرہم جیسے کفریہ عقائد گھڑ لے تو اس سطح کے فتنوں کو قیامت تک کے لیے دین میں بدعاتِ ضلالۃ کہیں گے، اور یہی ایسے فتنے ہیں جن کے ماننے والوں اور پیروکاروں کو جہنم کا ایندھن بنائے جانے کی وعید سنائی گئی ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرونِ اُولیٰ میں بدعت اور احداث فی الدین کا اِطلاق چھوٹے چھوٹے فروعی اور نزاعی اِختلافات پر نہیں بلکہ صرف اُن امور پر ہوتا تھا جن سے خروج عن الاسلام یا اِرتداد لازم آئے اور اُمت اِس اِحداث کی وجہ سے اِختلافِ کثیر کا شکار ہو کر آپس میں بٹ جائے اور اس کا اِتحاد پارہ پارہ ہو جائے۔ احادیث مبارکہ میں اسی بدعتِ ضلالت کو جہنم کا ایندھن کہا گیا ہے۔ لہٰذا بدعت سے مراد فقط فتنہ اِرتداد اور اس کی مختلف شکلیں ہیں جو حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد پیدا ہوئیں یا مختلف ادوار میں بعد میں پیدا ہوں گی۔ بصورت دیگر اس پر بدعت ضلالۃ کا اطلاق نہیں ہوگا۔ پس آج بھی کسی امر یا معاملہ پر بدعت ضلالۃ کا اطلاق کرنے کے لیے ارتداد ہی ایسا قاعدہ اور کلیہ ہے جس پر کسی بھی امر کو پرکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بدعت ضلالت میں شمار ہوتی ہے یا نہیں؟

لہٰذا چھوٹے چھوٹے فروعی اور نزاعی مسائل مثلاً میلاد، عرس، ایصال ثواب وغیرہ کو بدعات و گمراہی اور ''محدثات الأُمور'' نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ان سے نہ تو خروج عن الاسلام لازم آتا ہے اور نہ ہی ارتداد، بلکہ یہ اصلاً شریعت سے ثابت ہیں۔ جبکہ ''محدثات الأُمور'' ان فتنوں کو کہا گیا جن کی وجہ سے اُمت میں اختلافِ کثیر پیدا

ہوا، اور امت آپس میں بٹ گئی حتی کہ الگ الگ لشکر بنے، جنگیں ہوئیں اور ہزاروں افراد ان فتنوں کے باعث شہید ہوئے۔

تعجب ہے ان لوگوں پر جنہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد اور ایصال ثواب وغیرہم جیسے اعمال حسنہ کو محدثات الاُمور اور بدعاتِ ضلالۃ قرار دیا ہے۔ کوئی اِن اُمور پر اِعتقاد رکھے نہ رکھے یہ اس کی صوابدید ہے لیکن ان کو دین میں بدعت قرار دینا حضور نبی اکرم ﷺ، صحابہ اور تابعین کی سنت سے انکار، حدیث سے انکار اور جسارت علی الرسول ہے۔ **لیس علیه أمرنا** کا بھی یہی معنی ہے، یہ درحقیقت دین کے اندر اُمور مستحبات ہیں جنہیں کسی بھی دور میں اہلِ حق نے کبھی بھی اِحداث و بدعات قرار نہیں دیا۔

باب چہارُم

اِجتہاد اور تصورِ بدعت

أَجْتَهِدُ بِرَأيي سے نئے اُمورِ حسنہ کے اِجراء پر اِستدلال

اِجتہاد پر اَجر و ثواب کی نوید

اُمورِ حسنہ کا اِجراء اور تصورِ بدعت

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

زندگی کی تمام تر اِرتقا پذیری اِجتہاد ہی کی مرہونِ منت ہے۔ مجتہدین کا سب سے بڑا کارنامہ ہی ممکناتِ حیات کو بروئے کار لا کر اُنہیں ترقی کی راہ پر لگانا ہے۔ دینِ اِسلام کی فطرت میں اللہ ﷻ نے ایسی خوشگوار اور اَبدی لچک رکھی ہے کہ اگر ایک طرف یہ تمام اَحوال و ظروف اور زمان و مکان کے مطابق معاشرے کی اِنفرادی اور اِجتماعی ضروریات کو پورا کرتا ہے تو دوسری طرف اپنے تمام اَساسی اور بنیادی اُصولوں کو قائم رکھتے ہوئے اپنی ہیئتِ اَصلیہ کو بھی برقرار رکھتا ہے۔ ذیل میں ہم چند اَحادیثِ نبویہ کی روشنی میں ’’اِجتہاد اور تصورِ بدعت‘‘ کے حوالے سے تفصیلات بیان کریں گے تاکہ نفسِ مضمون سے متعلق ذہنوں میں پائے جانے والے اِبہام کو دور کیا جا سکے۔

أَجْتَهِدُ بِرَأيِي سے نئے اُمورِ حسنہ کے اِجراء پر اِستدلال

اگر کسی مسئلہ کا کوئی حل قرآنِ مجید اور سنّت نبوی ﷺ دونوں سے نہ ملے تو اِجتہاد کرنا نہ صرف جائز بلکہ حکمِ نبوی پر مبنی ہے۔ یہ حکم اَز خود نئے کام کو جو قرآن و سنّت میں نہ تھا، محض خیر اور دینی ضرورت و مصلحت کی بنا پر نہ صرف جواز فراہم کر رہا ہے بلکہ خود اس عملِ اجتہاد کو بھی سنّت بنا رہا ہے۔ اس حقیقت پر حدیثِ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ شاہد عادل ہے۔ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ (۲۷۵ھ) اپنی ’’السنن‘‘ میں کتاب الأقضیہ، باب اجتھاد الرأی فی القضاء میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجتے وقت حضور نبی اکرم ﷺ نے اُن سے پوچھا:

کیف تقضی إذا عرض لک قضاء؟ قال: أقضی بکتاب اللہ قال: فإن لم تجد في کتاب اللہ؟ قال: فبسُنة رسول اللہ ﷺ قال: فإن

لم تجد في سنة رسول الله ﷺ ولا فی کتاب الله؟ قال: أجتهد برأي ولا آلو قال: فضرب رسول الله ﷺ صدره، فقال: الحمد لله الذي وفّق رسول رسول الله ﷺ لما يرضي رسول الله ﷺ۔ (۱)

''(اے معاذ!) جب آپ کے سامنے کوئی معاملہ پیش کیا جائے گا تو آپ کس طرح اس کا فیصلہ کریں گے؟ تو انہوں نے عرض کیا: میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو اس معاملے کو کتاب اللہ میں نہ پائے تو اس پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ پھر میں سنت رسول کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پھر حضور علیہ الصلاۃ و السلام نے فرمایا: اگر تو اس معاملے کا حل سنت رسول ﷺ اور کتاب اللہ میں بھی نہ پائے تو انہوں نے عرض کیا کہ **پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے (اپنا دستِ شفقت) میرے سینے پر مارا اور فرمایا تمام تعریفیں اس خدا کی ہیں جس نے اپنے رسول ﷺ کے نمائندہ کو ایسی توفیق بخشی جو اس کے رسول ﷺ کی رضا کا**

(۱) ۱۔ ابو داود، السنن، کتاب القضاء، باب اِجتهاد الرائی فی القضاء، ۳:۳۰۳، رقم:۳۵۹۲

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ابواب الأحکام، باب ما جاء فی القاضی، ۳: ۶۱۶، رقم:۱۳۲۷

۳۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۱۴، رقم: ۲۰۳۳۹

۴۔ ابن ابی شیبة، المصنف، ۴: ۵۴۳

۵۔ طیالسی، المسند، ۱: ۷۶، رقم: ۵۵۹

۶۔ عبد بن حمید، المسند، ۱: ۷۲، رقم: ۱۲۴

۷۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۰: ۱۷۰، رقم: ۳۶۲

www.MinhajBooks.com

سبب ہے۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے الفاظ ’’أَجْتَهِدُ بِرَأْيِي‘‘ اور اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان ’’اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللهِ لِمَا يُرْضِیُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم‘‘ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے جواب پر نہ صرف اِطمینان کا اِظہار کیا گیا بلکہ اِس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو اَمر قرآن وسنت میں نہ ہو بلکہ اِجتہاد اور رائے محمود کی بنیاد پر طے کیا جائے تو یہ نہ صرف مستحسن ہے بلکہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منظور شدہ طریق ہے۔ یہی اُصول ’’بدعت حسنہ‘‘ میں کارفرما ہے جو اس حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نئے نئے پیش آمدہ مسائل میں رائے اور اِجتہاد سے کام لینے اور اپنی فہم و بصیرت سے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ **علامہ ابن قیم جوزی** (۷۵۱ھ) ’’إعلام الموقعین‘‘ میں نقل کرتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بعض ناگزیر حالات میں اپنی رائے سے اِجتہاد اور اہلِ علم سے مشورہ کرنے کی تلقین کرتے ہوئے **قاضی شریح** (۷۶ھ) کو فرمایا:

أن أقض بما استبان لک من قضاء رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فإن لم تعلم کل أقضية رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاقض بما استبان لک من ائمة المهتدين فإن لم تعلم کل بما قضيت به ائمة المهتدين فاجتهد رأيک واستشر أهل العلم و الصّلاح۔(۱)

’’جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ سے ظاہر ہو اس کے مطابق فیصلہ کرو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام فیصلوں کا علم نہ ہو تو ہدایت یافتہ ائمہ کے مطابق فیصلہ کرو اور اگر ان کے بھی تمام فیصلوں کا علم نہ ہو تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو اور اہلِ علم و صلاح سے مشورہ کرو۔‘‘

(۱) ابن قیم، اعلام الموقعین: ۹۷

ان احادیثِ مبارکہ سے یہ اُصول بھی مستنبط ہوتا ہے کہ اگر نفس الامر اور اس کا حل خود قرآن وسنّت سے ثابت نہیں تو اس کے حل کا طریق جو مبنی بر ’رائے و اجتہاد‘ ہے وہ تو سنّت سے ثابت ہے۔ لہٰذا ’’نفس الامر اور اس کا حل‘‘ نیا ہونے کی بنا پر تو ’’بدعت‘‘ ہوئے مگر اس حل کا طریق مشروع ہے اس لئے تابع سنّت ہوا۔ سو ’’نئے پن‘‘ نے اس عمل کو بدعتِ لغوی بنایا تھا اور طریق کی مشروعیت نے اسے بدعت حسنہ بنا دیا۔ **یہی وہ دائمی اصول ہے جو دین اسلام کی تعلیمات کو زمانوں اور معاشروں کے بدلتے ہوئے حالات اور زندگی کے نئے تقاضوں کی تکمیل کے لئے ابدالاباد تک تحرک اور تسلسل دیتا ہے، اسی اُصول کے باعث اِسلامی نظامِ حیات میں جمود پیدا نہیں ہونے پاتا۔ یہی اُصول اِسلامی احکام کی دائمی اور متحرک عملیت (dynamism) اور لایزال مطابقیت (un-ending compatability) برقرار رکھتا ہے جس سے اس نظام کی تازگی ہمیشہ قائم رہتی ہے۔**

اِجتہاد پر اَجر وثواب کی نوید

جب کوئی مجتہد خلوصِ نیت کے ساتھ کسی حکم کا اِستنباط کرتا ہے اور وہ حکم درست ہو تو اسے اللہ کی طرف سے دو اَجر ملتے ہیں اور اگر وہ حکم درست نہ ہو بلکہ غلط ہو تب بھی اس مجتہد کو اپنے اِجتہاد پر ایک اَجر ملتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إذَا حَكَمَ الحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَصَابَ فَلَهُ اَجْرَانِ وَ اِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَخْطَأَ فَلَهُ اَجْرٌ۔ (۱)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاعتصام، باب اجر الحاکم إذا اجتھد، ۶: ۲۶۷۶، رقم: ۶۹۱۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأقضیہ، باب بیان اجر الحاکم إذا اجتھد فأصاب او اخطأ، ۳: ۱۳۴۲، رقم: ۱۷۱۶

۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ابواب الاحکام، باب ماجاء فی القاضی یُصیب ویخطیٰ، ۳: ۶۱۵، رقم: ۱۳۲۶

”جب کوئی حاکم اجتہاد سے فیصلہ کرے اور صحیح فیصلہ کردے تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور جب اجتہاد سے فیصلہ کرے اور اس سے غلطی ہو جائے تو بھی اس کے لئے ایک اجر ہے۔“

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مجتہد کی اس قدر حوصلہ افزائی کیوں کہ غلطی اور خطا پر بھی اسے ”اجر“ سے نوازا جائے؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اگر مجتہدین و محققین کو اِس اَمر کا پابند کر دیا جائے کہ وہ نظام الأحکام کو صرف عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ کے قضایا اور نظائر تک محدود رکھیں اور نئے اقدامات کو بدعت سمجھ کر چھوڑ دیں تو قدیم اور جدید میں فاصلے برقرار رہتے۔ جس کے نتیجے میں لامحالہ اسلامی طرزِ زندگی جمود کا شکار ہو جاتی، چونکہ مجتہد نئے فیصلوں کے ذریعے امکانِ جمود کو ختم کرتا ہے، احکامِ شریعت کے تحرک و تسلسل کے برقرار رہنے کا باعث بنتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ غلط نتیجہ برآمد ہونے کی صورت میں بھی اخلاص اور نیک نیتی پر مبنی اس کی مجتہدانہ کاوش اور جرأت کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ فیصلہ صاف ظاہر ہے ایک ”نیا قدم“ ہی ہوگا۔ **اگر نصوصِ قرآن و سنّت یا عہدِ رسالت و عہدِ صحابہ سے ثابت ہوتا تو اجتہاد نہ کہلاتا بلکہ وہ حکمِ منصوص ہی ہوتا چونکہ وہ اَساسی مصادر سے یا زمانہ تشکیلِ سنّت سے ثابت نہیں ہے اس لئے لغۃً بدعت ہے، طریقۃً اجتھاد ہے، ضرورۃً مصلحت ہے اور حکمًا ”حسنۃ“ ہے۔ اسے بدعتِ حسنہ کہتے ہیں۔ یہی ”اِجتہادِ ماجور“ ہے اور یہ حکمِ رسول ﷺ ہے۔ اور اصلاً سنّتِ نبوی ﷺ کے تابع ہے۔**

۴۔ ابوداؤد، السنن، کتاب القضاء، باب فی القاضی یُخْطِی، ۳: ۲۹۹، رقم: ۳۵۷۴

۵۔ نسائی، السنن، کتاب آداب القضاۃ، باب الاصابۃ فی الحکم، ۸: ۲۲۳، رقم: ۵۳۸۱

۶۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب الأحکام، باب الحاکم یجتہد فیصیب الحق، ۲: ۷۷۶، رقم: ۲۳۱۴

اُمورِ حسنہ کا اِجراء اور تصورِ بدعت

اِمام مسلمؒ (۲۶۱ھ) کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الصدقہ میں روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اَعمالِ خیر اور اُمورِ حسنہ کے اِجراء کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

من سنّ فی الاسلام سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها بعده من غير أن ينقص من أجورهم شئ ومن سنّ فی الاسلام سنة سيئة كان عليه وزرها و وزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أوزارهم شيئ۔(۱)

’’جس شخص نے اسلام میں کسی نیک کام کی ابتداء کی اس کو اپنے عمل کا بھی اجر ملے گا اور بعد میں اس پر عمل کرنے والوں کے عمل کا بھی اجر ملے گا اور ان

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الصدقہ، ۲: ۷۰۵، رقم:۱۰۱۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سيئة، ۴: ۲۰۵۹، رقم: ۲۶۷۴

۳۔ نسائی، السنن، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی الصدقہ، ۵: ۵۵، ۵۶، رقم: ۲۵۵۴

۴۔ ابن ماجہ، السنن، مقدمۃ، باب سن سنة حسنة أو سيئة، ۱: ۷۴، رقم: ۲۰۳

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔۳۵۹

۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۸: ۱۰۱، ۱۰۲، رقم: ۳۳۰۸

۷۔ دارمی، السنن، ۱: ۱۴۱، رقم: ۵۱۴

۸۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۲: ۳۵۰، رقم: ۹۸۰۳

۹۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۴: ۱۷۵، رقم: ۷۵۳۱

عاملین کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں کسی برے عمل کی ابتدا کی اسے اپنے عمل کا بھی گناہ ہو گا اور بعد میں اس برے کام پر عمل کرنے والوں کے عمل کا بھی گناہ ہو گا اور ان عاملین کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہو ی۔‘‘

امام یحییٰ بن شرف نوویؒ (۶۷۶ھ) مذکورہ حدیث کی شرح میں نئے اُمورِ حسنہ کے اِجراء کے حق میں دلائل دیتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

قوله ﷺ مَنْ سَنَّ سُنّة حسنة و من سنَّ سنّة سيّئة و فی الحديث الآخر من دَعَا اِلیٰ هدی و من دعا اِلی ضلالة[1] هذان الحديثان صريحان فی الحثِّ علی استحباب سنّ الامور الحسنة و تحريم سنّ الامور السيّئة۔[2]

’’حضور ﷺ کا فرمان ’’من سنَّ سنة حسنة و من سن سنة سيئة‘‘ اور ایک دوسری حدیث مبارکہ ’’من دعا الی هدی ومن دعا الی ضلالة‘‘ یہ دونوں

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سيئة، و من دعا إلی هدی او ضلالة، ۴:۲۰۶۰، رقم: ۲۶۷۴

۲۔ترمذي، السنن، كتاب العلم عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فيمن دعا إلی هدی فاتبع او إلی ضلالة، ۵:۴۳

۳۔ابو داؤد، السنن كتاب السنة، باب لزوم السنة، ۴:۲۰۱، رقم: ۴۶۰۹،

۴۔ابن ماجة، السنن، المقدمة، باب من سن سنة حسنة او سيئة، ۱:۷۵، رقم: ۲۰۶

۵۔ ابن حبان، الصحيح باب ذكر الحكم فيمن دعا إلی هدی او ضلالة فاتبع عليه، ۱:۳۱۸، رقم: ۱۱۲

۶۔دارمی، السنن، ۱:۱۴۱، رقم: ۵۱۳

۷۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲:۳۹۷، رقم: ۹۱۴۹

۸۔ابو عوانة، المسند، ۳:۴۹۴، رقم: ۵۸۲۳

(۲) نووی، شرح صحيح مسلم، ۲: ۳۴۱

احادیث اُمورِ حسنہ کے اجراء کے استحباب اور اُمورِ سیئۃ کے اجراء کی ممانعت پر صریحاً دال ہیں۔‘‘

اگر کچھ تعمّق اور تفکّر سے کام لیا جائے تو یہ واضح ہو جائیگا کہ یہاں لفظِ ’’سنّت‘‘ سے مراد سنّتِ شرعی نہیں بلکہ سنّتِ لغوی ہے گویا لفظِ بدعت کی طرح لفظِ سنّت کا اِطلاق دو طرح پر ہے۔ اگر ’’من سنَّ فی الاسلام سُنّۃً‘‘ سے مراد یہاں پر شرعی معنی میں سنّتِ رسول ﷺ یا سنّتِ صحابہ ہوتی تو اسے ’’سُنَّۃً حَسَنَۃ‘‘ اور ’’سُنَّۃً سَیِّئَۃً‘‘ میں ہرگز تقسیم نہ کیا جاتا۔ کیونکہ سنّتِ رسول ﷺ تو ہمیشہ ’’حسنۃ‘‘ ہی ہوتی ہے۔ اس کے سیّئہ ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں پر حضور ﷺ نے لفظ تو ’’سنّت‘‘ کا استعمال فرمایا ہے مگر اس کے اطلاق میں حسنہ اور سیّئہ دو اقسام بیان کی ہیں ان میں ایک پر اجر کی نوید اور دوسری قسم پر گناہ کی وعید فرمائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ’’سنّت‘‘ کی تقسیم تو حسنہ اور سیّئہ میں صراحتاً کر دی گئی ہے۔ جس سے انکار کی بھی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اب اس کی توجیہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ یہاں لفظِ سنّت اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے نہ کہ شرعی معنی میں۔ **اس سے مراد کوئی ’نیا راستہ‘ نکالنا ہے۔** ذیل میں چند مثالوں سے اجتہاد اور تصور بدعت کی وضاحت کی جائے گی۔

مثالوں سے وضاحت

۱۔ آغازِ اسلام میں یہ دستور تھا کہ اگر حضور ﷺ نماز کی اِمامت کرا رہے ہوتے اور دورانِ نماز کوئی آ جاتا تو وہ دوسرے صحابی سے پوچھ کر کہ کتنی رکعتیں ہو چکی ہیں اُتنی رکعتیں پہلے پڑھ کر پھر حضور ﷺ کے ساتھ جماعت میں مل جاتا۔ ایک دن حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے:

لَا اَجِدُہ عَلیٰ حالٍ اَبداً اِلَّا کُنْتُ عَلَیْھَا ثُمَّ قَضَیْتُ مَا سَبَقَنِی۔ (۱)

(۱) احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۴۶، رقم: ۲۲۴۷۵

''میں تو حضور ﷺ کو (دورانِ نماز) جس حال میں پاؤں گا اسی میں مل جاؤں گا اور جو نماز چھوٹ گئی ہے اسے حضور ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کر لوں گا۔''

چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور حضور ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی باقی رکعتیں ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا:

اِنَّه قَدْ سَنَّ لَكُمْ مُعَاذٌ فَهٰكَذَا فَاصْنَعُوْا۔ (۱)

''معاذ نے تمہارے لیے یہ اچھا طریقہ نکالا ہے تم بھی اب یونہی کیا کرو۔''

اس مقام پر غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے اپنی رائے اور اجتہاد سے اس طریقے کو ترک کیا جس پر تمام صحابہ عمل پیرا تھے لیکن چونکہ حضرت معاذؓ کا عمل مبنی بر خلوص اور اَدب تھا لہٰذا حضور اکرم ﷺ نے ان کے اس عمل کو پسند کیا اور اِس کی تحسین فرماتے ہوئے صحابہ کو اِس ''نئے عمل'' کو اپنانے کا حکم دیا۔

۲۔ قرآنِ حکیم کی جمع و تدوین بھی صحابہ کا ایک مجتہدانہ فیصلہ تھا۔ اگر چہ یہ ایک ''نیا عمل'' تھا اور ان کے پاس اس کو جمع کرنے کے متعلق کوئی صریح حکم بھی موجود نہیں تھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی اِجتہادی بصیرت سے کام لیتے ہوئے اس نئے لیکن مبنی بر

(۲) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۴۶، رقم: ۲۲۴۷۵
۲۔ أبوداود، السنن، کتاب الصلاة، باب کیف الأذان، ۱: ۱۳۹، رقم: ۵۰۶
۳۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۲۰: ۱۳۴، رقم: ۲۷۱
۴۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۲۰: ۱۳۳، رقم: ۲۷۰
۵۔ بیهقي، السنن الکبریٰ، ۳: ۹۳، رقم: ۴۹۲۵
۶۔ بیهقي، السنن الکبریٰ، ۲: ۲۹۶، رقم: ۳۴۳۳
۷۔ عسقلاني، الدرایة في تخریج احادیث الهدایة، ۱: ۲۳۴
۸۔ عسقلاني، تلخیص الحبیر، ۲: ۴۲، رقم: ۵۹۶

خیر عمل کے ذریعے جمع و تدوین کی صورت میں ایک بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا۔ **علامہ شاطبیؒ** (۷۹۰ھ) اپنی معروف کتاب ''الاعتصام'' میں قرآن کی جمع و تدوین کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ان أصحاب رسول الله ﷺ إتفقوا علی جمع المصحف ولیس تَمَّ نص علی جمعه و کتبه۔(۱)

''رسول اللہ ﷺ کے صحابہ قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کرنے پر متفق ہو گئے حالانکہ قرآن کریم کو جمع کرنے اور لکھنے کے بارے میں ان کے پاس کوئی صریح حکم نہیں تھا۔''

اِس سے یہ نتیجہ اَخذ کیا جا سکتا ہے کہ خیر اور دینی مصالح پر مبنی اُمور کو سرانجام دینا صحابہ کرام کی سنت ہے اور انہیں محض ''نیا عمل'' ہونے کی وجہ سے رد نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جمعِ قرآن کی فکر دامن گیر ہوئی تو آپ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: میری یہ تجویز ہے کہ قرآن کو فوری طور پر ایک کتابی صورت میں یکجا کر دیا جائے تاکہ اس طرح اس کی حفاظت کا بہتر اہتمام ہو سکے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اِبتداءً یہ جواب دیا کہ **کیف أفعل شیئا؟ ما لم یفعله رسول الله ﷺ** (میں ایسا کام کیسے کرسکتا ہوں؟ جسے رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا)؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے امیر المومنین! درست ہے کہ یہ کام ہمارے آقا ﷺ نے بوجوہ اپنی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں نہیں کیا لیکن ''ھو و اللہ خیر'' یعنی اللہ کی قسم ہے بہت اچھا، لہٰذا ہمیں اسے ضرور کرنا چاہئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب شرحِ صدر نصیب ہوا تو انہوں نے حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ نوجوان اور سمجھ دار شخص ہیں اور کاتب وحی بھی رہے ہیں، لہٰذا آپ قرآن کو مختلف مقامات سے تلاش کر کے ایک جگہ جمع کر دیں۔ حضرت

(۱) شاطبی، الاعتصام، ۲: ۱۱۵

زید رضی اللہ عنہ کو جب اتنی بڑی اور نازک ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا پڑا تو عرض کرنے لگے: ’’اللہ کی قسم (ابوبکر رضی اللہ عنہ) مجھے اگر ایک پہاڑ کو دوسرے کی جگہ منتقل کرنے کی تکلیف دیتے تو قرآن کو جمع کرنے سے وہ کام میرے لئے بھاری نہ ہوتا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس نئے کام کو سرانجام دینے کے حوالے سے میں نے حضرت عمر بن خطاب اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے عرض کیا:

كيف تفعلان شيئا لم يفعله النبي ﷺ؟ فقال: أبوبكر هو والله خير۔(۱)

آپ وہ کام کس طرح کرتے ہیں جس کو حضور ﷺ نے نہیں کیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم یہ بہتر کام ہے۔‘‘

جب حضرت زید رضی اللہ عنہ پر اس کی حکمت واضح ہوگئی تو وہ اس بابرکت کام کے لئے تیار ہو گئے، اس طرح جمع و تدوینِ قرآن کا یہ اہم فریضہ عہدِ صدیقی میں پایۂ تکمیل کو

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، کتاب التفسير، باب قوله لقد جاء كم رسول، ۴: ۱۷۲۰، رقم: ۴۴۰۲

۲۔ بخاری، الصحيح، کتاب الاحکام، باب يستحب للكاتب أن يكون اميناً عاقلاً، ۶: ۲۶۲۹، رقم: ۶۷۶۸

۳۔ ترمذی، الجامع الصحيح، کتاب التفسير، باب من سورة التوبة، ۵: ۲۸۳، رقم: ۳۱۰۳

۴۔ نسائی، السنن الكبریٰ، ۵: ۷، رقم: ۲۲۰۲

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۳، رقم: ۷۶

۶۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۰: ۳۶۰، رقم: ۴۵۰۶

۷۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۵: ۱۴۶، رقم: ۴۹۰۱

۸۔ ابو يعلی، المسند، ۱: ۹۱، رقم: ۹۱

۹۔ بیہقی، السنن الكبریٰ، ۲: ۴۰، رقم: ۲۲۰۲

www.MinhajBooks.com

پہنچا۔

اس حدیثِ مبارکہ میں اہم بات یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر کہ **کیف تفعلان شیئاً لم یفعله النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کام کے بدعت یعنی ''نیا'' ہونے کا انکار نہیں کیا بلکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وہی الفاظ دہرائے کہ ''**ھو و اللہ خیر**'' یعنی اللہ کی قسم یہ بہتر کام ہے۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تازہ بہ تازہ اور نت نئے پیدا ہونے والے مسائلِ حیات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اِجتہاد اور بدعت میں واضح تمیز کرتے تھے اور چھوٹے چھوٹے اُمورِ خیر اور اَعمالِ صالحہ کو محض نیا ہونے کی وجہ سے ردّ کرنے کی بجائے **مَنْ سَنَّ فی الاسلام سُنّۃ حسنۃ**[1] کے تحت دین کے وسیع دامن میں جگہ دیتے تھے۔ صحابہ کی اس مجتہدانہ روش سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر وہ کام جو مبنی برحکمت و مصلحت ہو اور احکامِ شریعت سے متعارض و متناقض بھی نہ ہو وہ بلاشک و شبہ مباح، جائز اور مشروع ہے۔

۳۔ سیدنا عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے باجماعت نمازِ تراویح کے اِہتمام اور اس پر ''**نعم البدعۃ ھذہ**'' کے فرمان نے ہمیشہ کے لیے اجتہاد اور بدعت کے فرق کو واضح کر

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکوۃ، باب الحث علی الصدقہ، ۲: ۷۰۵، رقم:۱۰۱۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب العلم، باب من سن سنۃ حسنۃ او سیئۃ، ۴: ۲۰۵۹، رقم: ۲۶۷۴

۳۔ نسائی، السنن، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی الصدقہ، ۵: ۵۵، ۵۶، رقم: ۲۵۵۴

۴۔ ابن ماجہ، السنن، مقدمۃ، باب سن سنۃ حسنۃ أو سیئۃ، ۱ : ۷۴، رقم: ۲۰۳

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔۳۵۹

دیا۔ باجماعت نمازِ تراویح کا پس منظر یہ ہے کہ حضور ﷺ نے تین راتوں کے سوا یہ نماز باجماعت نہیں پڑھائی۔ اس کے بعد عہدِ صدیقی کے اڑھائی سالہ دورِ خلافت میں بھی صحابہ کا یہی معمول رہا۔ جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو آپ نے اس خیال سے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کہیں لوگ نمازِ تراویح پڑھنا ترک ہی نہ کر دیں، سب کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے جو حافظِ قرآن تھے باجماعت نماز تراویح کے لئے مجتمع کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عبد القاری بیان کرتے ہیں:

خرجت مع عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ليلة في رمضان إلى المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون يصلى الرجل لنفسه و يصلي الرجل فيصلي بصلا ته الرهط، فقال عمر: إنی أری لو جمعت هؤلاء على قارئ واحد لكان أمثل ثم عزم فجمعهم على أبی بن كعب ثم خرجت معه ليلة أُخرى والناس يصلون بصلوة قارئهم، قال عمر: نعم البدعة هذه والتی ينامون عنها أفضل من التی يقومون يريد آخر الليل و كان الناس يقومون أوّله۔(۱)

''میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی ایک رات مسجد کی طرف نکلا تو لوگ متفرق تھے ایک آدمی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور ایک آدمی گروہ کے ساتھ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے خیال میں انہیں ایک قاری کے پیچھے جمع کر دیا

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان، ۲: ۷۰۷، رقم: ۱۹۰۶
۲۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰
۳۔ ابن خزیمة، الصحیح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰
۴۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹
۵۔ بیہقی، شعب الایمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

جائے تو اچھا ہو گا، پس آپ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے سب کو جمع کر دیا۔ پھر میں دوسری رات کو ان کے ساتھ نکلا تو دیکھا کہ لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کتنی اچھی بدعت ہے اور رات کا وہ حصہ جس میں لوگ سو جاتے اس سے بہتر وہ حصہ ہے جس میں وہ قیام کرتے ہیں مراد رات کا آخری حصہ تھا جبکہ لوگ پہلے حصے میں قیام کرتے تھے۔''

باجماعت نمازِ تراویح کا اِہتمام سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک اجتہادی کارنامہ تھا۔ آپ نے ''**نعم البدعة هذه**'' فرما کر یہ واضح کر دیا کہ اگرچہ یہ ایک ''نیا کام'' ہے مگر ہر نیا کام ناجائز اور ممنوع نہیں ہوتا بلکہ بے شمار نئے اُمور حسنہ بھی ہوتی ہیں۔ **نعم البدعة** فرمانے سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بدعت حسنہ اور سیئہ کی تقسیم مبنی بر حدیث ہے، یہ محض قیاسی تقسیم نہیں۔ مختصراً یہ کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نمازِ تراویح کے باجماعت اہتمام کو ''**بدعة**'' بھی کہا اور ''**نعمة**'' یعنی ''**حسنة**'' بھی کہا۔ وجہ یہی تھی کہ یہ کام اپنی ظاہری حالت اور ہیئت کے حوالے سے تو نیا تھا جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوام کے ساتھ اختیار نہیں فرمایا تھا اس لئے اسے ''**بدعة**'' کہا مگر باعثِ خیر اور مبنی بر مصلحت تھا اس لئے اسے ''**نعمة**'' یعنی ''**حسنة**'' قرار دے دیا۔ **علامہ ابن اثیر جزری** رحمۃ اللہ علیہ (۶۰۶ھ) نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس مبنی برحکمت فرمان کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

وإنما عمر رضی اللہ عنہ جمع الناس عليها و ندبهم إليها، فبهذا سمّاها بدعة، وهي على الحقيقة سنّة، لقوله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عليكم بسنّتي و سنّة الخلفاء الراشدين من بعدي[۱] وقوله اقتدوا بالذين من بعدي أبي

(۱) ۱۔ ابو داود، السنن، كتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، كتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

بکر و عمر[1] وعلی هذا التأویل یحمل الحدیث الآخر کل محدثة بدعة[2] إنما یرید ما خالف أصول الشریعة ولم یوافق السُّنَّة.[3]

’’پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس (باجماعت نمازِ تراویح) پر جمع کیا اور ان کو اس کی طرف متوجہ کیا پس اس وجہ سے اس کو بدعت کہا گیا درآں حالیکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول - علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی - اور اس فرمان - اقتدوا بالّذین من بعدی من أصحابی أبی بکر و عمر - کی وجہ سے حقیقت میں سنت ہے۔ پس اس تاویل کی وجہ سے حدیث ’’کل محدثة بدعة‘‘ کو اُصولِ شریعت کی مخالفت اور سنت کی عدمِ

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۴۹، رقم: ۶۲۴

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، ابوب المناقب، باب مناقب عبدالله بن مسعود، ۵: ۶۷۲، رقم: ۳۸۰۵

(۲) ۱۔ ابو داود، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

(۳) ابن أثیر جزری، النهایة، فی غریب الحدیث والأثر، ۱: ۱۰۶

موافقت پر محمول کیا جائے گا۔‘‘

۴۔ جمعۃ المبارک کی دوسری اَذان (یعنی وہ اَذان جو وعظ سے قبل شروع میں پڑھی جاتی ہے) کا اِجراء عہدِ عثمانی رضی اللہ عنہ میں ہوا۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اِضافی اَذان کا یہ عمل دوسری نمازوں پر قیاس کرتے ہوئے لوگوں کو وقتِ صلوٰۃ کے آغاز کی اطلاع دینے کے لئے شروع کیا اور جمعہ کو اِس اذان سے مختص کر دیا اور اِس اذان کو خطیب کے سامنے دینے کی خصوصیت کو بھی باقی رکھا۔ اس سے یہ اِستنباط ہوتا ہے کہ یہ اِجتہادی عمل معناً اَصل ہے۔ اسے محض بدعت کہہ کر ردّ نہیں کیا جائے گا۔ **امام بخاری** رحمۃ اللہ علیہ (۲۵۶ھ) نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

أن التأذين الثاني يوم الجمعة أمر به عثمان بن عفّان حين كثر أهل المسجد۔(۱)

’’جمعہ کے دن دوسری اذان (یعنی وہ اَذان جو وعظ سے قبل شروع میں پڑھی جاتی ہے) کا حکم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیا جب مسجد میں آنے والوں کی تعداد زیادہ ہوگئی۔‘‘

علامہ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (۷۹۵ھ) جمعہ کی پہلی اَذان کو بدعتِ حسنہ قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ومن ذلک أذان الجمعة الأوّل زاده عثمان لحاجة الناس إليه، و أقرّه عليٌّ واستمرّ عمل المسلمين عليه. وروى عن ابن عمر أنه

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجمعه، باب الجلوس على المنبر، ۱: ۳۱۰، رقم: ۸۷۳

۲۔ شمس الحق، عون المعبود، ۳: ۳۰۲

۳۔ وادیاشی، تحفة المحتاج، ۱: ۵۰۶، رقم: ۶۲۴

۴۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۳: ۳۲۳

قال: هو بدعة، ولعله أراد ما أراد أبوه في قيام شهر رمضان۔[۱]

’’اور اسی طرح جمعہ کی پہلی اذان ہے جس کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی ضرورت کے پیشِ نظر جاری کیا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر قائم رہے اور اس پر لوگوں نے عمل کرنا شروع کر دیا۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے جمعہ کی دوسری اذان کے بارے میں فرمایا کہ وہ بدعت ہے۔ شاید ان کی مراد بھی وہی ہو جو ان کے والد (عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ) کی قیام رمضان کے بارے میں تھی۔‘‘ (یعنی جمعہ کی دوسری اَذان بھی **نعم البدعة** ہے۔)

۵۔ معاشرہ چونکہ شریعت سازی کی بنیاد ہے لہٰذا جب معاشرتی احوال میں تبدّل و تغیر ہوگا تو لازمی طور پر اجتہادی بنیادوں پر احکامِ شرعیہ کی شکل وصورت بھی بدلے گی۔ ان نئے احوال کی بنیاد پر نئے احکامِ شرعیہ کو بدعت و ضلالت قرار دینا کہاں کی دانشمندی ہے۔ اس اُصول کو اس واقعہ سے سمجھنے کی کوشش کریں کہ اسلام میں چوری کی سزا قطع ید ہے۔ سورہ المائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا۔[۲]

’’اور چوری کرنے والا (مرد) اور چوری کرنے والی (عورت) سو دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔‘‘

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص نے بیت المال سے چوری کی۔ جب معاملہ خلیفہءِ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو آپ نے اس شخص کے ہاتھ کو کاٹنے سے منع کر دیا۔ **امام ابن اَبی شیبہ کوفی** رحمۃ اللہ علیہ (۲۳۵ھ) اس واقعہ کی تفصیل نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

---

(۱) ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۳: ۲۵۲

(۲) المائدہ، ۵: ۳۸

ان رجلا سرق من بيت المال فكتب فيه سعد الى عمر فكتب عمر الى سعد ليس عليه قطع له فيه نصيب۔[(۱)]

’’ایک شخص نے بیت المال سے چوری کی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں لکھا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سعد کو لکھا کہ اس پر قطع ید نہیں ہے، کیونکہ بیت المال میں اس کا حصہ بھی ہے۔‘‘

امام مالکؒ (۱۷۹ھ) ’’مؤطا‘‘ میں کتاب الحدود، باب ما لا قطع فیہ کے ذیل میں نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو الحضرمی اپنے ایک غلام کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور کہا:

إِقْطَعْ يَدَ غُلَامِی هٰذا فَإِنَّهُ سَرَقَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ مَاذَا سَرَقَ؟ فَقَالَ سَرَقَ مِرْأَةً لِاِمْرَأَتِی ثَمَنُهَا سِتُّونَ دِرْهَمًا فَقَالَ عُمَرُ: أَرْسِلْهُ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَطْعٌ خَادِمُكُمْ سَرَقَ مَتَاعَكُمْ۔[(۲)]

’’میرے اس غلام کا ہاتھ کاٹ دیجئے کیونکہ اس نے چوری کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ چرایا کیا ہے؟ کہا کہ میری بیوی کا آئینہ چرایا ہے جس کی قیمت ساٹھ درہم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیوں کہ تمہارے ہی خادم نے تمہارے مال کی چوری کی ہے۔‘‘

خلاصۂ بحث

ان سارے نظائر و واقعات سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اجتہاد اور تجدیدی روش ہی وہ دائمی اصول ہے جو اس دینِ فطرت کی تعلیمات کو

(۱) ابن ابی شیبہ، المصنف، ۵: ۵۱۸، رقم: ۲۸۵۶۳

(۲) مالک، المؤطا، کتاب الحدود، باب مالا قطع فیہ، ۲: ۸۳۹، رقم: ۱۵۲۸

زمانوں اور معاشروں کے بدلتے ہوئے حالات اور زندگی کے نئے تقاضوں کی تکمیل کے لئے ابدالاباد تک تحرک اور تسلسل دیتا ہے، اسی اصولِ اجتہاد کے باعث شریعتِ اسلامیہ میں جمود پیدا نہیں ہونے پاتا۔ یہی اُصول احکامِ شرعیہ کی دائمی اور متحرک عملیّت اور لایزال مطابقیت برقرار رکھتا ہے جس سے اسلامی نظامِ حیات کی تازگی اور کشش ہمیشہ قائم اور برقرار رہتی ہے۔

www.MinhajBooks.com

باب پنجم

اِباحت اور تصورِ بدعت

فصل اَوّل:

اَصلاً تمام اَشیاء مباح ہیں

فصل دوم:

کسی شے کا عدمِ ذکر دلیلِ حرمت نہیں ہے

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

فصل اَوّل

اَصلاً تمام اَشیاء مباح ہیں

مُباح اُمور پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا

اِباحتِ اصلی جاننے کا اُصولی قاعدہ

اِسلام آسان دین ہے

احکامِ شریعت میں سہولت کا بیان

تصرِیحِ محرمات کا قرآنی فلسفہ

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

مُباح اُمور پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا

اِنسانی زندگی میں ہزاروں اَشیاء ایسی ہیں جن کی حلت وحرمت کے بارے میں کتاب وسنت خاموش ہے اس لیے جب تک ان کے عدمِ جواز یا حرمت پر دلیلِ شرعی قائم نہ ہو وہ مباح، جائز اور مشروع ہیں۔ محض عدمِ ثبوتِ ذکر کی بنا پر انہیں حرام نہیں کہا جاسکتا۔ علماء ومحدثین کا اِس اُصول پر اِتفاق ہے کہ حضور ﷺ کا کوئی کام کرنا اُس کے جائز ہونے کی دلیل ہے جب کہ کسی فعل کا ترک فرمانا اُس کے حرام ہونے کی دلیل نہیں تاوقتیکہ اُس کام کی حرمت پر دلیلِ شرعی قائم ہو جائے ۔ **علامہ ابن حجر عسقلانی** (۸۵۲ھ) ''فتح الباری بشرح صحیح البخاری'' میں اِس اُصول کو نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ **الفعل یدل علی الجواز وعدم الفعل لایدل علی المنع**[1] (کسی کام کا کرنا اس کے جواز پر دلالت کرتا ہے جب کہ نہ کرنا عدمِ جواز پر دلالت نہیں کرتا)۔ اسی اُصول کی بنا پر علماءِ اُمت نے شریعتِ اسلامیہ کا معروف قاعدہ اورمتفقہ اُصول وضع فرمایا ہے:

الأصل فی الاشیاء الاباحة۔[2]

''اصلاً ہر چیز میں اِباحت (یعنی جائز ہونا) ہے۔''

---

(۱) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۰:۱۵۵

(۲) ۱۔ شامی، ردالمختار، ۶:۴۵۹

۲۔ سرخسی، المبسوط، ۲۴:۷۷

۳۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۹:۶۵۶

۴۔ سیوطی، الاشباہ والنظائر، ۱:۶۰

شریعت کے اِس قاعدے کی رو سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ فی نفسہٖ کوئی کام بھی اَز روئے شرع اس وقت تک ممنوع نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں قرآن وسنت کی نص قطعی سے حرمت کا کوئی واضح عنصر ثابت نہ ہو جائے۔

اِباحتِ اَصلی جاننے کا اُصولی قاعدہ

کسی کام کی حلت وحرمت جاننے کا اُصولی ضابطہ یہ ہے کہ ہم ہر اس کام کو جو عہدِ رسالت ﷺ اور عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں نہ تھا اور بعد میں کسی ضرورت کے تحت وجود میں آیا، قرآن وسنت پر پیش کریں گے، اگر قرآن وسنت کا اس کے ساتھ کسی اعتبار سے بھی تعارض ثابت ہو جائے تو وہ بلا شبہ ناجائز، حرام اور گمراہی تصور ہوگا لیکن اگر اس کا قرآن وسنت کے کسی بھی حکم کے ساتھ کوئی تضاد یا تعارض واقع نہ ہو تو اسے گمراہی یا حرام تصور کرنا حکمتِ دین کے منافی اور اِسلام کے متعین کردہ نظامِ حلال و حرام سے انحراف برتنے اور حد سے تجاوز کرنے کے مترادف ہوگا۔ چھوٹے چھوٹے فروعی اور اِختلافی معاملات پر بدعت و شرک کے فتوے صادر کرنے اور اپنی طرف سے بغیر کسی شرعی دلیل کے چیزوں کو حلال و حرام کہنے والے لوگوں کی مذمت میں ارشادِ ربانی ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلَالٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ○(۱)

’’اور وہ جھوٹ مت کہا کرو جو تمہاری زبانیں بیان کرتی رہتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے اس طرح کہ تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھو، بیشک جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ (کبھی) فلاح نہیں پائیں گے○‘‘

(۱) القرآن، النحل، ۱۶:۱۱۶

اس قاعدے - ألاصل فی الأشیاء الاباحة - کو سمجھانے کے لئے ذیل میں دو مثالیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے واضح ہوجائے گا کہ اشیا کا اصل مباح ہونا ہے نہ کہ حرام:

پہلی مثال

اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ فلاں میرا مقروض ہے تو اب دعویٰ کرنے والا خود ہی گواہی پیش کرے گا اور ثابت کرے گا کہ فلاں میرا مقروض ہے۔ مقروض سے یہ تقاضا نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنے مقروض نہ ہونے کا ثبوت پیش کرے کیونکہ اس طرح کا دعویٰ خلافِ اصل ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اصلاً کوئی بھی ماں کے پیٹ سے مقروض پیدا نہیں ہوتا۔ **اِمام اَبوبکر بیہقیؒ** (۴۵۸ھ) السنن الکبریٰ میں روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

البیّنة علی المدعی والیمین علی من أنکر۔[1]

’’گواہی مدعی پر اور قسم اِنکار کرنے والے (مدعیٰ علیہ) پر ہے۔‘‘

امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) اِسی روایت کو أبواب الأحکام میں روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

(۱) ۱۔ بیہقی، السننِ الکبریٰ، ۸: ۱۲۳

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الاحکام، باب البینة علی المدعی، ۲: ۷۷۸

۳۔ بخاری، الصحیح، کتاب الشہادات، باب البیّنة علی المدّعی، ۲: ۹۳۱

۴۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۳: ۶۲۶، رقم: ۱۳۴۱

۵۔ دارقطنی، سنن دار قطنی، ۴: ۱۵۷

۶۔ ابن ابی شیبه، المصنف، ۵: ۴۴۱

۷۔ ابن رجب حنبلی، جامع العوم والحکم، ۱: ۷

۸۔ سیوطی، شرح السنن ابن ماجه، ۱: ۱۵۸

www.MinhajBooks.com

البیّنة علی المدعی و الیمین علی المدّعی علیه۔[(۱)]

”دلیل لانا مدعی پر ہے اور قسم کھانا مدعٰی علیہ پر ہے۔“

دوسری مثال

اگر آپ نے کوئی نیک عمل کیا، کسی دوسرے شخص نے اِس پر اِعتراض کرتے ہوئے کہا کہ یہ میلاد شریف منانا، انگوٹھے چومنا، مزارات کی حاضری اور اِیصالِ ثواب وغیرہ یہ سب اَعمال بدعتِ سیئہ اور حرام ہیں تو اب آپ کو ان اعمال کے حلال اور جائز ہونے پر دلائل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ آپ اس معترض سے کہیں کہ معروف حدیث البیّنة علی المدعی[(۲)] کے تحت وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں اس عمل کے حرام اور ناجائز ہونے پر گواہی لائے، کیونکہ اصلاً کوئی چیز حرام نہیں بلکہ مباح ہوتی ہے جب تک کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس کو حرام قرار نہ دے دیں۔ مزید یہ کہ متعدد آیات و

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ابواب الاحکام، باب ماجاء أنّ البینة علی المدعی، ۳: ۶۲۶، رقم: ۱۳۴۱
۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الاحکام، باب البینة علی المدعی، ۲: ۷۷۸
۳۔ دارقطنی، سنن دار قطنی، ۴: ۱۵۷
۴۔ ابن ابی شیبه، المصنف، ۵: ۴۴۱
۵۔ بیہقی، سننِ کبریٰ، ۸: ۱۲۳
۶۔ ابن عبد البر، التمهید، ۲۴: ۲۹۶
۷۔ ابوعوانة الاسفرائینی، مسند ابوعوانة، ۴: ۵۳
۸۔ سیوطی، شرح السنن ابن ماجه، ۱: ۱۵۸

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ابواب الاحکام، باب ماجاء أنّ البینة علی المدعی، ۳: ۶۲۶، رقم: ۱۳۴۱
۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الاحکام، باب البینة علی المدعی، ۲: ۷۷۸
۳۔ دارقطنی، سنن دار قطنی، ۴: ۱۵۷

احادیث مثلاً وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذَالِكُمْ[۱] اور قَد فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ[۲] اور وما سكت عنه فهو مما عفا عنه[۳] سے الاصل فی الاشياء الاباحة[۴] کی واضح طور پر تائید ہوتی ہے۔ مذکورہ شخص نے چونکہ اس چیز کے ناجائز اور مکروہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور یہ دعویٰ خلافِ اصل ہے لہٰذا اسے دلیل لانا پڑے گی کہ یہ چیز حرام کس بنیاد پر ہے؟ اگر وہ کہے کہ اس کا کہیں قرآن وحدیث میں ذکر نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس عمل کا کتاب و سنت میں ذکر نہ ہو وہ حلال اور مباح ہوتا ہے یعنی جن اعمال کی حلت و حرمت کے بارے میں کتاب و سنت خاموش ہوں وہ حلال اور مباح ہوتے ہیں اور عدمِ ذکر میں بھی اللہ کی کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے، لہٰذا ہمیں بھی اس حکمتِ خداوندی کو وجہِ نزاع نہیں بنانا چاہیے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ أَشْيَآءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَ اِنْ

---

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۲۴

(۲) القرآن، الانعام، ۶: ۱۱۹

(۳) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحيح، كتاب اللباس، باب فی لبس الفراء، ۴: ۲۲۰، رقم: ۱۷۲۶

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الاطعمة، باب أكل الجبن و السمن، ۲: ۱۱۱۷، رقم: ۳۳۶۷

۳۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۶: ۲۵۰، رقم: ۶۱۲۴

۴۔ حاکم، المستدرك، ۴: ۱۲۹، رقم: ۷۱۱۵

۵۔ بیہقی، السنن الكبریٰ، ۱۰: ۱۲

۶۔ دیلمی، الفردوس بما ثور الخطاب، ۲: ۱۵۸، رقم: ۲۸۰۰

(۴) ۱۔ شامی، ردالمختار، ۶: ۴۵۹

۲۔ سرخسی، المبسوط، ۲۴: ۷۷

۳۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۶۵۶

۴۔ سیوطی، الاشباه والنظائر، ۱: ۶۰

تَسْئَلُوا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللهُ عَنْهَا وَاللهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌo(۱)

’’اے ایمان والو! تم ایسی چیزوں کی نسبت سوال مت کیا کرو (جن پر قرآن خاموش ہو) کہ اگر وہ تمہارے لئے ظاہر کردی جائیں تو تمہیں مشقت میں ڈال دیں (اور تمہیں بُری لگیں) اور اگر تم ان کے بارے میں اس وقت سوال کروگے جبکہ قرآن نازل کیا جارہا ہے تو وہ تم پر (نزولِ حکم کے ذریعے) ظاہر (یعنی متعین) کردی جائیں گی (جس سے تمہاری صواب دید ختم ہوجائے گی اور تم ایک ہی حکم کے پابند ہوجاؤ گے) اللہ نے ان (باتوں اور سوالوں) سے (اب تک) درگزر فرمایا ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا بردبار ہےo‘‘

مذکورہ آیت مقدسہ سے واضح ہورہا ہے کہ اگر کسی چیز کی حلت و حرمت کے بارے میں قرآن خاموش ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز جائز اور حلال ہے۔ اب کسی بھی مسلمان کو اس کی حلت وحرمت پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ورنہ وہ اپنی کٹ حجتی سے اپنا دائرہ عمل خود اسی طرح تنگ کرتا چلا جائے گا جس طرح سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل نے سوال پر سوال کر کے کرلیا تھا۔ اگر وہ اللہ کے پہلے حکم پر کسی بھی عمر یا رنگ کی گائے ذبح کرنے کے لیے لے آتے اور بے جا سوالات نہ کرتے تو ہر قسم کی گائے ذبح کرنے کی اجازت تھی مگر وہ سوالات کرتے گئے اور ان سوالات کی وجہ سے جو حکم ظاہر ہوتا گیا اس سے ان کا دائرہ عمل تنگ ہوتا گیا حتیٰ کہ بالآخر ایک قسم کی گائے پر جا کر رک گئے کہ بس اسی کو ذبح کرنے کا حکم ہے۔ اس طرح انہوں نے بے مقصد سوالات کی وجہ سے اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا کرلیا اور اپنا دائرہ عمل تنگ کرلیا۔

اِسلام آسان دین ہے

دینِ اِسلام ایک ایسا آسان اور سہل دین ہے جس کے دامنِ رحمت سے وابستہ

(۱) القرآن، المائدۃ، ۵: ۱۰۱

ہو کر انسان قوانینِ فطرت کے تحت پرسکون زندگی بسر کر سکتا ہے۔ اس کے وسیع دامن میں ایسی ناروا تنگی اور تکالیف نہیں کہ اس کو اپنانا مشکل ہو۔ ذیل میں ہم اِسلام کے دینِ یُسر ہونے پر چند آیات اور اَحادیث پیش کرتے ہیں۔

دینِ یُسر پر قرآن حکیم سے دلائل

قرآنِ مجید میں اسلام کے دینِ یسر ہونے پر متعدد آیات ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ۔[۱]

''دین میں کوئی زبردستی نہیں۔''

۲۔ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ۔[۲]

''اور اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔''

۳۔ یُرِیْدُ اللهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ۔[۳]

''اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے دشواری نہیں چاہتا۔''

۴۔ یُرِیْدُ اللهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا۔[۴]

''اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کر دے، اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔''

۵۔ لَا یُکَلِّفُ اللهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔[۵]

(۱) القرآن، البقرہ، ۲:۲۵۶
(۲) القرآن، الحج، ۲۲: ۷۸
(۳) القرآن، البقرہ، ۲:۱۸۵
(۴) القرآن، النساء، ۴: ۲۸
(۵) القرآن، البقرہ، ۲:۲۸۶

’’اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔‘‘

۶۔ فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِکَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ○[۱]

’’بس ہم نے آپ ہی کی زبان میں اس (قرآن) کو آسان کر دیا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں○‘‘

۷۔ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ۔[۲]

’’اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور ان سے ان کے بارِگراں اور طوق (قیود) جو ان پر (نافرمانیوں کے باعث مسلط) تھے، ساقط فرماتے (اور انہیں نعمتِ آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں۔‘‘

ان آیاتِ مقدسہ سے واضح ہوتا ہے کہ بنی نوع اِنسان کو جو اسلام کی صورت میں دین عطا ہوا ہے وہ انہیں تمام پریشانیوں اور مشکلات سے نجات دیتا ہے، کیونکہ ہمارے آقا و مولا نبی آخرالزماں ﷺ مخلوقِ خدا کو تکلیفوں، دشواریوں اور پریشانیوں میں مبتلا کرنے نہیں بلکہ اِنہیں ناروا تنگیوں اور تکلیفوں سے نجات دینے آئے ہیں۔

یہ تمام آیات صراحت کے ساتھ لوگوں کے لئے شرعی اَحکام کی تخفیف اور آسانی پر دلالت کرتی ہیں۔ **اِمام شاطبیؒ** (۷۹۰ھ) اس حوالے سے لکھتے ہیں:

ان الأدلة علی رفع الحرج فی هذه الأمة بلغت مبلغ القطع۔[۳]

’’اس اُمت سے رفعِ حرج کے دلائل قطعیت تک پہنچ چکے ہیں۔‘‘

(۱) القرآن، الدخان، ۴۴:۵۸

(۲) القرآن، الاعراف، ۷:۱۵۷

(۳) شاطبی، الموافقات، ۱: ۳۴۰

دینِ یُسر پر اَحادیثِ نبویہ سے دلائل

آیاتِ مبارکہ کے ساتھ ساتھ اَحادیثِ مقدسہ میں بھی ''دینِ یُسر'' کا یہ مضمون بڑی صراحت سے بیان ہوا ہے۔ حضور علیہ السلام کو مبعوث ہی نہایت آسان اور سہل دین کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے چند اَحادیثِ مبارکہ درج ذیل ہیں:

۱۔ امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) ''المسند'' میں روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بعثت بالحنيفية السمحة۔ (۱)

''میں ایسے دینِ حنیف کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جو آسان ہے۔''

۲۔ حضرت ابو امامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إنما بعثت بالحنيفية السمحة و لم أُبعث بالرهبانية البدعة۔ (۲)

---

(۱) ۱۔ احمد، المسند، ۵: ۲٦٦، رقم: ۲۲۳۴۵
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۱۷۰، رقم: ۷۷۱۵
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۲: ۲٦۰
۴۔ رویانی، المسند، ۲: ۳۱۷، رقم: ۱۲۷۹
۵۔ مناوی، فیض القدیر، ۳: ۲۰۳
٦۔ سیوطی، تدریب الراوی، ۲: ۳۲۸

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۱۷۰، رقم: ۷۷۱۵
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۳۰۲
۳۔ احمد، المسند، ۵: ۲٦٦، رقم: ۲۲۳۴۵
۴۔ رویانی، المسند، ۲: ۳۱۷، رقم: ۱۲۷۹
۵۔ مناوی، فیض القدیر، ۳: ۲۰۳
٦۔ سیوطی، تدریب الراوی، ۲: ۳۲۸

www.MinhajBooks.com

’’بیشک میں ایسے دین حنیف کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جو نہایت آسان ہے اور میں خودساختہ رہبانیت کے ساتھ نہیں بھیجا گیا۔‘‘

۳۔ علامہ خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) اس حوالے سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بعثت بالحنيفية السّمحة أو السّهلة و من خالف سُنّتي فليس منّي۔(۱)

’’میں نہایت آسان دین یا سہولت والے دین کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہوں۔ اور جس نے میری سنت کی مخالفت کی وہ مجھ سے نہیں۔‘‘

۴۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بعثت بالحنيفية السمحة من خالف فقد كفر۔(۲)

---

(۱) ۱۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۷: ۲۰۹، رقم: ۳۶۷۸
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۱۷۰، رقم: ۷۷۱۵
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۳۰۲
۴۔ احمد، المسند، ۵: ۲۶۶، رقم: ۲۲۳۴۵
۵۔ رویانی، المسند، ۲: ۳۱۷، رقم: ۱۲۷۹
۶۔ مناوی، فیض القدیر، ۳: ۲۰۳
۷۔ سیوطی، تدریب الراوی، ۲: ۳۲۸
۸۔ عجلونی، کشف الخفاء، ۱: ۳۴۰، رقم: ۹۱۴

(۲) ۱۔ ابن حجر عسقلانی، لسان المیزان، ۶: ۳۰
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۱۷۰، رقم: ۷۷۱۵
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۳۰۲
۴۔ احمد، المسند، ۵: ۲۶۶، رقم: ۲۲۳۴۵
۵۔ رویانی، المسند، ۲: ۳۱۷، رقم: ۱۲۷۹
۶۔ مناوی، فیض القدیر، ۳: ۲۰۳
۷۔ سیوطی، تدریب الراوی، ۲: ۳۲۸

’’میں ایسے دینِ حنیف کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جو آسان ہے جس نے اس کی مخالفت کی پس اس نے کفر (یعنی میری سنت سے انکار) کیا۔‘‘

۵۔ ابن حیان انصاری (۳۶۹ھ) نے ’’طبقات المحدّثین بأصبهان‘‘ میں درج ذیل حدیث سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنهما سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

خير دينكم أيسره۔(1)

’’تمہارے دین میں بہترین پہلو اس کا آسانی اور سہولت والا عمل ہے۔‘‘

۶۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کا اپنی اُمت کے لئے ’’یُسر‘‘ کا انتخاب کرنے کے حوالے سے فرماتی ہیں:

ما خير رسول اللہ ﷺ بين أمرين قطّ اِلا اَخذَ أَيسرهما مالم يكن إثما۔(2)

---

(۱) ۱۔ ابن حیان، طبقات المحدثین باصبهان، ۳: ۲۱۴
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۷۹
۳۔ طیالسی، المسند، ۱: ۱۸۳، رقم: ۱۲۹۶
۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۳۰، رقم: ۵۷۳
۵۔ قضاعی، مسند الشهاب، ۲: ۲۱۹، رقم: ۱۲۲۴
۶۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۳: ۳۰۹
۷۔ ابن حجر عسقلانی، الإصابة، ۳: ۱۳۳

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الادب، باب قول النبی ﷺ یسروا ولا تعسروا، ۵: ۲۲۶۹، رقم: ۵۷۷۵
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب مباعدته ﷺ للأثام، ۴: ۱۸۱۳، رقم: ۲۳۲۷
۳۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۳۷۰، رقم: ۹۱۶۳

’’رسول اکرم ﷺ کو جب بھی دو کاموں کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ ﷺ نے ان میں سے آسان کو اختیار فرمایا جبکہ اِس میں گناہ نہ ہو۔‘‘

۷۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا:

إن اللہ یحبّ أن توتی رُخصة کما یحبّ أن توتی عزائمه۔ (۱)

’’بے شک اللہ تعالی رخصت دینا پسند فرماتا ہے جیسا کہ وہ عزیمت دینا پسند فرماتا ہے۔‘‘

۸۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ عزوجل یحب أن یوتی رخصة کما یکرہ أن توتی معصیة۔ (۲)

’’بے شک اللہ تعالیٰ رخصت دینا پسند فرماتا ہے جیسا کہ گناہ کو ناپسند فرماتا ہے۔‘‘

۹۔ امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۱۴، رقم: ۲۴۸۷۴

۵۔ بیھقی، السنن الکبریٰ، ۷: ۴۵، رقم: ۱۳۰۸۱

۶۔ ابو یعلی، المسند، ۷: ۴۳۱، رقم: ۴۴۵۲

۷۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۷: ۲۵۶، رقم: ۷۴۳۴

(۱) ۱۔ ابن ابی شیبه، المصنف، ۵: ۳۱۷

۲۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۸: ۸۲، رقم: ۸۰۳۲

۳۔ ابن عبد البر، التمهید، ۲۴: ۶۷

۴۔ ابویعلی، المعجم، ۱: ۱۴۲، رقم: ۱۵۴

(۲) ۱۔ ابن خزیمه، الصحیح، ۲: ۷۳، رقم: ۹۵۰

۲۔ رویانی، المسند، ۲: ۴۲۱

۳۔ ابن جوزی، التحقیق فی أحادیث الخلاف، ۱: ۴۹۵

إن الدّين يسر ولن يشاد الدين أحد اِلاَّ غلبه۔[١]

’’بیشک یہ دین بہت آسان ہے اور جو اسے مشکل بنائے گا تو یہ دین اس پر غالب آ جائے گا۔‘‘

١٠۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو ارشاد فرمایا:

يسّرا ولا تعسّرا و بشّرا ولا تنفّرا و تطاوعا و لا تختلفا۔[٢]

(١) ١۔ بخاری، الصحیح، کتاب الایمان، باب الدّین یسر، ١: ٢٣، رقم: ٣٩
٢۔ نسائی، السنن، کتاب الایمان وشرائعه، باب الدّین یسر، ٨: ١٢٢، رقم: ٥٠٣٤
٣۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ٦: ٥٣٧، رقم: ١١٧٦٥
٤۔ ابن حبان، الصحیح، ٢: ٦٣، رقم: ٣٥١
٥۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ٣: ١٨، رقم: ٤٥١٨
٦۔ قضاعی، مسند الشہاب، ٢: ١٠٤، رقم: ٩٧٦
٧۔ ابن عبدالبر، التمهید، ٥: ١٢١

(٢) ١۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد والسیر، باب مایکره من التنازع، ٣: ١١٠٤، رقم: ٢٨٧٣
٢۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجهاد والسیر، باب فی الأمر بالتیسیر وترک التنفیر، ٣: ١٣٥٩، رقم: ١٧٣٣
٣۔ احمد بن حنبل، المسند، ٤: ٤١٧
٤۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ١٠: ٨٦
٥۔ ابن ابی شیبه، المصنف، ٥: ٣١٨
٦۔ عبد الرزاق، المصنف، ٣: ٣٥٦
٧۔ بزار، المسند، ٨: ١٣٨
٨۔ ابو عوانه، المسند، ٤: ٢١٥

”تم دونوں آسانی پیدا کرنا تنگی نہ کرنا، خوشخبری سنانا متنفر نہ کرنا، باہم خوش دلی سے کام کرنا اور اختلاف میں نہ پڑنا۔“

۱۱۔ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کو دینِ یُسر کی تعلیم دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

إنّما بعثتم ميسّرين ولم تبعثوا معسّرين۔(۱)

”تمہیں آسانیاں پیدا کرنے والے بنا کر بھیجا گیا ہے نہ کہ تنگیاں پیدا کرنے والے۔“

۱۲۔ حضرت اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

يسّروا ولا تعسّروا و بشّروا ولا تنفّروا.(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصلاة، باب حب الماء علی البول فی المسجد، ۱: ۸۹، رقم: ۲۱۷

۲۔ ترمذی، السنن، ابواب الطهارة، باب ماجاء فی البول بعيب الأرض، ۱: ۲۷۵، رقم: ۱۴۷

۳۔ ابوداود، السنن، کتاب الطهارة، باب الأرض يصيبها البول، ۱: ۱۰۳، رقم: ۳۸۰

۴۔ نسائی، السنن، کتاب الطهارة، باب ترك التوقيت فی الماء، ۱: ۴۸، رقم: ۵۶

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۳۹، رقم: ۷۲۵۴

۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۴: ۲۴۴، رقم: ۱۳۹۹

۷۔ عبدالرزاق، المصنف، ۱: ۴۲۳، رقم: ۱۶۵۸

۸۔ ابو یعلی، المسند، ۱۰: ۲۷۸، رقم: ۵۸۷۶

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب العلم، باب ماکان النبی ﷺ یتخولهم بالموعظة، ۱: ۳۸، رقم: ۶۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجهاد والسير، باب فی الأمر بالتيسير و ترك التنفير، ۳: ۱۳۵۸، رقم: ۱۷۳۲

''آسانیاں پیدا کرو، تنگیاں پیدا نہ کرو، خوشخبریاں سناؤ، نفرتیں مت پھیلاؤ۔''

مذکورہ تمام روایات کے مضمون سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ دینِ اِسلام ہی وہ واحد دین ہے جس میں تمام سہولتیں اور آسانیاں سمو دی گئی ہیں۔ یہ ایک ایسا نظامِ حیات ہے جس پر چلنے والے اِکراہ و تکالیف سے محفوظ و مامون ہیں۔

اَحکامِ شریعت میں سہولت کا بیان

ذیل میں چند ایسے اُمور کا ذکر کیا جاتا ہے جن پر بعض حالات میں شریعت میں رخصت دی گئی ہیں:

۱۔ نماز پڑھنا ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن سفر کی حالت میں مشکلات کی وجہ سے سہولت کی خاطر نماز کو قصر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔(۱) اسی طرح عرفات اور مزدلفہ میں حاجیوں کی سہولت اور آسانی کی خاطر ظہرین اور مغربین کو جمع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۲۔ ماہِ رمضان میں حالتِ سفر اور مرض کی وجہ سے روزے قضاء کرنے کی سہولت دی گئی ہے۔(۲)

۳۔ حالت اضطرار میں جان بچانے کیلئے عارضی طور پر حرام چیزوں کو کھانے کی رخصت

.... ۳۔ ابو داود، السنن، کتاب الأدب، باب فی کراهية المراء، ۴: ۲۶۰، رقم:۴۸۳۵

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۹۹

۵۔ ابوعوانة، المسند، ۴: ۲۱۵، رقم: ۶۵۵۸

۶۔ ابویعلی، المسند، ۱۳: ۳۰۶، رقم: ۷۳۱۹

۷۔ سیوطی، الجامع الصغير، ۱: ۱۰۵، رقم: ۱۴۳

۸۔ مناوی، فيض القدير، ۵: ۱۱۲

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۱۰۱

(۲) البقرہ، ۲: ۱۸۴

دی گئی ہے۔ (۱)

شریعت نے یہ سہولتیں صرف مکلّفین کی آسانی کے لئے عطا کی ہیں اور انسانوں سے حتی الامکان ہر قسم کے حرج اور تنگی کو دور کیا ہے۔ دین کا آسان اور قابلِ عمل ہونا اِس اَمر کا متقاضی ہے کہ قرآن وسنت میں ان چیزوں کی تفصیل دی جائے جو نسبتاً کم اور محدود ہوں تاکہ انسان بآسانی ان کا اِحاطہ کر سکے۔ قرآن کا اپنا اُسلوبِ بیان ہے کہ وہ بالعموم بنیادی اور اُصولی رہنمائی دیتا ہے اور تفصیلات کم بیان کرتا ہے۔ کیونکہ اگر قرآن ہر شئے کی تفصیل بیان کر دیتا تو لوگ مشکل میں پڑ جاتے یہی وجہ ہے کہ جب ہم حلال وحرام کی تفصیل جاننے کے لئے قرآنی تعلیمات کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن بالعموم حلال کی بجائے حرام اشیاء کی تفصیلات بیان کرتا ہے کیونکہ حرام حلال کے مقابلے میں کم اور محدود ہیں۔

تصریحِ محرمات کا قرآنی فلسفہ

ربّ کریم اپنے بندوں کے لیے ہر لمحہ آسانیاں پیدا کرنا چاہتا ہے اسی لئے اس نے صرف حرام اور ممنوع اشیاء اور اَفعال کی فہرست بیان فرمائی ہے جو کہ محدود ہیں اور باقی سب کچھ جائز اور مباح کے طور پر ذکر کئے بغیر چھوڑ دیا ہے۔ حرام کی فہرست بیان کر کے بقیہ کا عدمِ ذکر قرآنی فلسفہ کی رو سے اُن کے جواز، اِباحت اور حلّت کی دلیل ہے (وما سکت عنه فهو مما عفا عنه)۔ (۲)

(۱) البقرہ، ۲: ۱۷۳

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب اللباس، باب فی لبس الفراء، ۴: ۲۲۰، رقم: ۱۷۲۶

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الاطعمة، باب أكل الجبن و السمن، ۲: ۱۱۱۷، رقم: ۳۳۶۷

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۶: ۲۵۰، رقم: ۶۱۲۴

ذیل میں قرآن کے حلال و حرام اَحکام کی تفصیل بیان کرنے کے حوالے سے چند آیات بطور نمونہ بیان کی جاتی ہیں جس سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی قرآن نے بالعموم ناجائز اور حرام اَشیاء کا تذکرہ کر کے باقی ہزاروں اَشیاء کو جائز اور حلال کے طور پر چھوڑ دیا ہے جس سے یہ اُصول وضع ہوتا ہے کہ عدمِ ذکر حرمت کی نہیں بلکہ اِباحت اور جواز کی دلیل ہے۔

۱۔ یہ مسئلہ کہ کن عورتوں سے نکاح جائز ہے اور کن سے نہیں، اس کی تفصیل سورہ نساء میں یوں بیان کی گئی ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًاo(۱)

’’تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری (وہ) مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعت میں شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں (سب) حرام کر دی گئی ہیں اور (اسی طرح) تمہاری گود میں پرورش پانے والی وہ لڑکیاں بھی جو تمہاری ان عورتوں (کے بطن) سے ہیں جن سے

www.MinhajBooks.com

.... ۴۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۱۲۹، رقم: ۷۱۱۵

۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۲

۶۔ دیلمی، الفردوس بما ثور الخطاب، ۲: ۱۵۸، رقم: ۲۸۰۰

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۲۳

صحبت کر چکے ہو (حرام ہیں) پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر (ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) کوئی حرج نہیں اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں (بھی تم پر حرام ہیں) جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ (نکاح میں) جمع کرو سوائے اس کے کہ جو دورِ جہالت میں گزر چکا۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

قرآن نے نکاح کے لئے جو عورتیں حرام تھیں ان کی تفصیل بیان کر دی اب سوال یہ پیدا ہوا کہ بقیہ رشتے جن کا ذکر نہیں ہوا ان کا کیا حکم ہے؟ تو اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا:

وَ اُحِلَّ لَكُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمۡ ۔(۱)

’’اور ان کے سوا (جن کا ذکر نہیں ہوا وہ سب عورتیں) تمہارے لئے حلال کر دی گئیں ہیں۔‘‘

۲۔ اسی طرح سورہ بقرہ میں حرام جانوروں کی فہرست دی گئی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحۡمَ الۡخِنۡزِيۡرِ وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيۡرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَيۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثۡمَ عَلَيۡهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝(۲)

’’اس نے تم پر صرف مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو حرام کیا ہے پھر جو شخص سخت مجبور ہو جائے نہ تو نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر (زندگی بچانے کی حد تک کھا لینے میں) کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے ۝‘‘

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۲۴

(۲) القرآن، البقرة، ۲: ۱۷۳

۳۔ اِسی مضمون کو سورۂ مائدہ میں مزید تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ۔(۱)

’’تم پر مردار (یعنی بغیر شرعی ذبح کے مرنے والا جانور) حرام کر دیا گیا ہے اور (بہایا ہوا) خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ (جانور) جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو اور گلا گھٹ کر مرا ہوا (جانور) اور (دھار دار آلے کے بغیر کسی چیز کی) ضرب سے مرا ہو اور اوپر سے گر کر مرا ہوا اور (کسی جانور کے) سینگ مارنے سے مرا ہوا اور وہ (جانور) جسے درندے نے پھاڑ کھایا ہو سوائے اس کے جسے (مرنے سے پہلے) تم نے ذبح کر لیا ہو اور (وہ جانور بھی حرام ہے) جو باطل معبودوں کے تھانوں (یعنی بتوں کے لئے مخصوص کی گئی قربان گاہوں) پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم پانسے (یعنی فال کے تیروں) کے ذریعے قسمت کا حال پوچھو، (یا حصے تقسیم کرو) یہ سب کچھ سخت گناہ ہے۔‘‘

متذکرہ بالا آیاتِ مقدسہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے معروف قرآنی اُسلوب کے مطابق صرف حرام کی فہرست بیان فرما دی ہے اور اس کے علاوہ باقی جانوروں کی جو حلال ہیں تفصیل بیان نہیں فرمائی۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا کہ شریعتِ اِسلامیہ جائز اشیاء کی فہرست کو تفصیل سے بیان کرنے لگتی تو پھر صرف چند مخصوص اشیاء ہی حلت کے لئے باقی بچتیں، ایسی صورت میں یقیناً لوگوں کو بڑی دشواری اور ناقابلِ تصور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ اور لوگوں کے لیے شریعت کے مطابق زندگی بسر کرنا یقیناً دشوار ہو جاتا لٰہذا اس پر

(۱) القرآن، المائدۃ، ۵: ۳

جتنا شکر بجا لایا جائے کم ہے کہ اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ہمارے لئے نہایت آسان دین دے کر مبعوث فرمایا ہے (بعثت بالحنیفية السمحة)۔(۱)

اِباحتِ اَصلی اور مفسّرین کا نقطۂ نظر

ذیل میں ہم قاعدہ فقہیہ الأصل فی الاشیاء الاباحة(۲) کی تائید میں چند معروف مفسرین کا نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں جس سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ روزمرہ کی وہ ہزاروں اَشیاء جن کے بارے میں شریعت خاموش ہے وہ مباح اور جائز ہیں اور جب تک ان کے عدمِ جواز اور حرمت پر کوئی شرعی نص قائم نہ ہو ہم محض عدمِ ذکر کی بنا پر انہیں حرام نہیں کہہ سکتے۔

۱۔ اِمام ابوبکر احمد بن علی جصاص الحنفیؒ (۳۷۰ھ)

امام ابوبکر احمد بن علی جصاص حنفیؒ قرآن کی مختلف آیاتِ مقدسہ سے اِباحتِ اَصلی کی تائید میں اِستدلال کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:

قولہ ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا﴾(۳) و قولہ ﴿وَ

(۱) ۱۔ احمد، المسند، ۵: ۲۶۶، رقم: ۲۲۳۴۵
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۱۷۰، رقم: ۷۷۱۵
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۲: ۲۶۰
۴۔ رویانی، المسند، ۲: ۳۱۷، رقم: ۱۲۷۹
۵۔ مناوی، فیض القدیر، ۳: ۲۰۳
۶۔ سیوطی، تدریب الراوی، ۲: ۳۲۸

(۲) ۱۔ شامی، رد المختار، ۶: ۴۵۹
۲۔ سرخسی، المبسوط، ۲۴: ۷۷
۳۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۶۵۶
۴۔ سیوطی، الاشباہ والنظائر، ۱: ۶۰

(۳) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۹

سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ﴾[۱] و قوله ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾[۲] يحتج بجميع ذلک فی أن الأشياء علی الإباحة مما لا يحظره العقل فلا يحرم منه شئی الا ما قام دليله۔[۳]

’’اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ ’’وہ وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا‘‘ اور اس کا فرمان کہ ’’اس نے تمہارے لئے آسمانوں اور زمینوں کی ساری اَشیاء کو مسخر کردیا۔‘‘ ارشادِ باری تعالیٰ کہ ’’(اے محبوب ﷺ!) فرما دیجئے اللہ کی اس زینت (وآرائش) کوکس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا فرمائی ہے اور کھانے کی پاک ستھری چیزوں کو (بھی کس نے حرام کیا ہے) ان تمام آیات سے یہ دلیل اَخذ کی جاتی ہے کہ تمام اشیاء اصلاً اباحت پر ہیں جو کہ خلافِ عقل نہ ہوں تو ان میں سے کوئی شے اس وقت تک حرام نہیں ہوسکتی جب تک حرمت کی دلیل قائم نہ ہو۔‘‘

۲۔ امام محمود بن عمر الزمخشریؒ (۵۳۸ھ)

امام جار اللہ زمخشریؒ آیت هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا‘[۴] کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

﴿لَكُمْ﴾ لأجلكم ولانتفاعكم به فی دنياكم و دينكم۔ ﴿خَلَقَ لَكُمْ﴾ علی أن الأشياء التی يصح أن ينتفع بها ولم تجر مجری

(۱) القرآن، الجاثيه، ۴۵:۱۳
(۲) القرآن، الاعراف، ۷: ۳۲
(۳) جصاص، احکام القرآن، ۱: ۲۸
(۴) القرآن، البقره، ۲: ۲۹

المحظورات فی العقل خلقت فی الأصل مباحة مطلقا لکل أحد أن یتناولها و یستنفع بها۔[۱]

''لکم یعنی تمہاری خاطر اور دین و دنیا میں تمہارے فائدے کے لئے پیدا کیا ''خلق لکم'' اس اُصول پر کہ جن چیزوں سے فائدہ اٹھانا درست ہے اور عقلی ممنوعات میں شامل نہیں۔ اصل میں وہ مطلقاً مباح پیدا کی گئی ہیں۔ ہر ایک ان کو کھانے اور ان سے فائدہ اُٹھانے کا حق دار ہے۔''

۳۔ اِمام محمد بن احمد مالکی القرطبیؒ (۶۷۱ھ)

امام قرطبیؒ آیت - وَ سَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوَاتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِنْهُ[۲] - کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

إستدل من قال ان اصل الاشیاء التی ینتفع بها الاباحة بهذه الایة و ما کان مثلها کقوله ﴿وَ سَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوَاتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِنْهُ الْاٰیَةَ﴾ حتی یقوم الدلیل علی الحظر و عضدوا هذا بأن قالوا أن المأکل الشهیة خلقت مع امکان ألا تخلق فلم تخلق عبثا فلا بدلها من منفعة و تلک المنفعة لا یصح رجوعها إلی اللہ تعالی لإستغنائه بذاته فهی راجعة إلینا و منفعتنا أما فی نیل لذتها أو فی إجتنابها لنختبر بذالک أو فی إعتبارنا بها و لا یحصل شئی فی تلک الأمور إلاَّ بذوقها فلزم أن تکون مباحة۔[۳]

(۱) زمخشری، الکشاف، ۱: ۱۱۲

(۲) القرآن، الجاثیة، ۴۵: ۱۳

(۳) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱: ۲۵۱

’’جن لوگوں نے کہا مفید چیزوں میں اَصل اباحت ہے اس اور اس جیسی دوسری آیتوں سے دلیل پکڑی ہے مثلاً فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ﴾ اللہ نے اپنی طرف سے تمہارے تابع فرمان کر دیا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، جب تک منع پر دلیل قائم نہ ہو جائے اور اس کی تائید اس طرح کی کہ پسندیدہ کھانے پیدا کئے گئے حالانکہ ان کو نہ پیدا کرنا بھی ممکن تھا لہٰذا ان کو فضول پیدا نہیں کیا گیا پس ان کا مفید ہونا ضروری ہے اور یہ تو درست نہیں کہ اس افادیت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے کہ وہ ذات پاک اس سے مستغنی ہے سو یہ افادیت ہماری اور ہماری منفعت کی طرف رجوع کرے گی کہ وہ یا تو لذت حاصل کرنے کے لئے ہے یا ان سے پرہیز کرنے کے لئے تاکہ اس سے ہماری جانچ ہو یا ہم اس سے عبرت حاصل کریں (یا ان پر قیاس کریں) اور ان میں سے ایک مقصد بھی چکھے بغیر حاصل نہیں ہوتا سو لازم ہے کہ اَشیاء اصل میں مباح ہوں۔‘‘

۴۔ اِمام عبداللہ بن محمود بن احمد النسفیؒ (۷۱۰ھ)

اِمام عبداللہ بن محمود احمد النسفیؒ آیت هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا(۱) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وقد استدل الكرخي وابوبكر الرازي والمعتزلة بقوله ﴿خَلَقَ لَكُمْ﴾ على أن الاشياء التي يصح ان ينتفع بها خلقت مباحة في الأصل جميعا۔(۲)

’’اور اس آیت مبارکہ - خَلَقَ لَكُمْ - سے امام کرخیؒ امام ابوبکر رازیؒ اور معتزلہ نے اِستدلال کیا ہے کہ تمام نفع بخش اَشیاء اَصلاً اِباحت پر پیدا کی گئی ہیں۔‘‘

(۱) البقرہ، ۲: ۲۹

(۲) نسفی، مدارك التنزيل، ۱: ۳۹

قابلِ اَفسوس پہلو

بڑے تعجب کی بات ہے کہ دین دینے والا خدائے بزرگ و برتر اور دین لے کر آنے والے آقائے نامدار ﷺ تو یہ فرما رہے ہوں کہ إن الدين يسر [1] (اِسلام بہت آسان اورسہل دین ہے) اور خود قرآن بھی یہ پکار پکار کر کہہ رہا ہو کہ لا اکراہ فی الدین [2] (دین میں کوئی تنگی یا دشواری نہیں) یعنی قرآن خود بھی دین کو آسان بتائے لیکن دین کی پیروی کرنے والے اور اس کو آگے پہنچانے والے اس کی آسانیوں کو ختم کر کے اسے اتنا مشکل بنا دیں کہ دین ناقابلِ عمل محسوس ہونے لگے تو ایسے میں دین کی طرف کون راغب ہوگا؟

وہ ذات خداوندی تو ہمارے لئے قدم قدم پر آسانیاں پیدا کرنا چاہتی ہے اسی لئے اس نے چند ناجائز اشیاء کی فہرست عطا کر دی اور علاوہ ازیں سب کچھ جائز اور حلال قرار دیا۔ یہ سب کچھ دینِ اسلام کی آسانی کی بیّن شہادت نہیں تو اور کیا ہے؟

اس کے برعکس اگر یوں ہوتا کہ شریعتِ اسلامیہ جائز اشیاء کی فہرست گنوا دیتی اور حکم حلّت میں چند اَشیاء مخصوص کر دیتی تو یقیناً متبعینِ شریعتِ اسلامیہ کو بہت بڑی دشواری اور ناقابلِ تصور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا جس کے نتیجے میں زندگی بسر کرنا یقیناً ایک مسئلہ بن جاتا۔ اِس پر اللہ ﷻ کا جتنا شکر بجا لایا جائے کم ہے کہ اُس نے ہمارے لئے حضور ﷺ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۱: ۲۳، کتاب الایمان، باب الدّین یسر، رقم: ۳۹
۲۔ نسائی، السنن، ۸: ۱۲۲، کتاب الایمان وشرائعه، باب الدّین یسر، رقم: ۵۰۳۴
۳۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۵۳۷، رقم: ۱۱۷۶۵
۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۶۳، رقم: ۳۵۱
۵۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۳: ۱۸، رقم: ۴۵۱۸
۶۔ قضاعی، المسند الشهاب، ۲: ۱۰۴، رقم: ۹۷۶
(۲) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۵۶

www.MinhajBooks.com

کو نہایت آسان دین دے کر بھیجا اور اُمت کی سہولت کی خاطر ایک شاندار اُصول وضع فرما دیا کہ جس چیز سے ہم تمہیں منع کر دیں اس سے رک جاؤ کیونکہ وہ حرام ہے اور جس چیز کے متعلق خدا اور اس کا رسول ﷺ خاموش رہیں وہ قیامت تک تمہارے لئے جائز اور حلال ہے۔ **اِمام ترمذیؒ** (۲۷۹ھ) جامع ترمذی، کتاب اللباس میں روایت کرتے ہیں جب حضور ﷺ سے گھی، پنیر اور پوستین کے بارے میں اِستفسار کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

الحلال ما أحل اللہ فی کتابہ و الحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفا عنہ۔(۱)

”وہ (چیز) حلال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حلال ٹھہرایا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام ٹھہرا دیا ہے۔ اور وہ اشیاء جن کے بارے میں سکوت اختیار فرمایا گیا ہے تو وہ تمہارے لئے معاف ہیں۔“

اِس حدیثِ مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اَشیاء جن کی حلت حرمت کے

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب اللباس، باب فی لبس الفراء، ۴: ۲۲۰، رقم: ۱۷۲۶

۲۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب الاطعمۃ، باب أکل الجبن و السمن، ۲: ۱۱۱۷، رقم: ۳۳۶۷

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۶: ۲۵۰، رقم: ۶۱۲۴

۴۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۱۲۹، رقم: ۷۱۱۵

۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۲

۶۔ دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۲: ۱۵۸، رقم: ۲۸۰۰

۷۔ ابراہیم حسینی، البیان والتعریف، ۲: ۳۰، رقم: ۹۶۶

۸۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۲: ۲۲۱

۹۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۲۰۶

بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ خاموش ہیں ان کی وضاحت طلب نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ بنی اسرائیل کی طرح تمہارا کثرت سے سوال کرنا تمہارے لئے دشواریاں پیدا کردے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر تم ہر چیز پر خدا اور اس کے رسول ﷺ سے سوال کروگے کہ فلاں جائز ہے یا ناجائز؟ تو اگر جواب میں یہ فرما دیا جائے کہ یہ ناجائز ہے تو تم تنگی میں مبتلا ہوجاؤ گے۔

اس اہم بات کو اس واقعہ سے سمجھیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حج کے احکامات نازل کرتے ہوئے فرمایا:

وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً. (۱)

’’اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے جو بھی اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔‘‘

اس پر ایک صحابی نے عرض کیا:

أفی کل عام یا رسول اللہ؟

’’یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج فرض ہے؟‘‘

حضور ﷺ نے چہرہ مبارک دوسری طرف پھیر لیا اور خاموش رہے۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا: ’’أفی کل عام یا رسول اللہ؟‘‘ حضور ﷺ پھر خاموش رہے۔ اس نے تیسری مرتبہ بھی جب یہی سوال دہرایا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

لو قلت نعم: لوجبت. ولما إستطعتم ثم قال ذرونی ما ترکتکم۔ (۲)

(۱) القرآن، آل عمران، ۳: ۹۷

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب فرض الحج مرة فی العمر، ۲: ۹۷۵، رقم: ۱۳۳۷

۲۔ نسائی، السنن، کتاب مناسك الحج، باب وجوب الحج، ۵: ۱۱۰

’’اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تو حج ہر سال فرض ہو جاتا اور تم اس کی استطاعت نہ رکھتے جن چیزوں کا بیان چھوڑ دیا کروں تم ان کا سوال مت کیا کرو۔‘‘

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (۵۵ھ) سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کثرت سے سوالات کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

إن أعظم المسلمين في المسلمين جرما من سأل عن شيئ لم يحرم على المسلمين فحرم من أجل مسألته۔[1]

...... ۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۵۰۸، رقم: ۱۰۶۱۵

۴۔ بیہقی، السنن الکبریٰ ۴: ۳۲۵، رقم: ۸۳۹۸

۵۔ اسحاق بن راھویة، المسند، ۱: ۱۳۴، رقم: ۶۰

۶۔ مروزی، السنة، ۱: ۴۰، رقم: ۱۲۴

۷۔ ابن حجر عسقلانی، تلخیص الحبیر، ۲: ۲۲۰

۸۔ اصبھانی، المسند المستخرج علی صحیح الامام مسلم، ۴: ۱۱، رقم: ۳۱۰۸

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب توقیره وترك إكثار سؤاله، ۴: ۱۸۳۱، رقم: ۲۳۵۸

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب مایکره من کثره، ۶: ۲۶۵۸، رقم: ۶۸۵۹

۳۔ ابو داود، السنن، کتاب السنة، باب لزوم السنة، ۴: ۲۰۱، رقم: ۴۶۱۰

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۷۹، رقم: ۱۵۴۵

۵۔ حاکم، المستدرك علی الصحیحین، ۳: ۴۲۵، رقم: ۶۶۲۸

۶۔ بزار، المسند، ۳: ۲۹۲، رقم: ۱۰۸۴

۷۔ ابو یعلی، المسند، ۲: ۱۰۴، رقم: ۷۶۱

۸۔ ابن عبدالبر، التمھید، ۲۱: ۲۹۰

۹۔ بیہقی، المدخل الی السنن الکبریٰ، ۱: ۲۱۸، رقم: ۲۷۸

۱۰۔ قرطبی، جامع لأحکام القرآن، ۶: ۳۳۵

’’بے شک مسلمانوں میں سب سے بڑا جرم اس مسلمان کا ہے جو ایسی چیز کے بارے میں سوال کرے جو کہ مسلمانوں پر حرام نہ تھی مگر اس کے سوال کرنے کی وجہ سے حرام کر دی گئی۔‘‘

اسی طرح یہ آیت مبارکہ بھی دین کا مزاج اور شریعت مصطفوی ﷺ کا بنیادی اُصول سمجھنے میں مدد دیتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ (۱)

’’اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔‘‘

یہ ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کی طاقت سے بڑھ کر اُسے تکلیف نہیں دیتا تو ہم کیوں تنگی اور دشواری کو اپنے لئے دعوت دیتے پھرتے ہیں۔

فلسفۂ حلال وحرام کی روشنی میں تصورِ بدعت

اس بنیادی فلسفۂ دین اور اُصولِ حلت وحرمت کو سمجھنے کے بعد اب تصورِ بدعت کو سمجھنا ہمارے لیے قدرے آسان ہو جائے گا کہ اِس کی رو سے ہر وہ نیا کام جس کے بارے میں کتاب وسنت خاموش ہو وہ ہمارے لئے جائز اور مباح ہے تاوقتیکہ اس کام کی حرمت اور ممانعت کتاب وسنت یا پھر آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہو جائے۔

اب یہ کہنا بالکل بجا طور پر درست تسلیم کیا جائے گا کہ جب کسی چیز کو:

۱۔ قرآن نے ناجائز نہیں کیا۔

۲۔ سنتِ نبوی نے ناجائز نہیں گردانا۔

۳۔ آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہ نے ناجائز قرار نہیں دیا۔ اور

۴۔ نہ ہی اجماعِ اُمت اس کی حرمت پر متفق ہے۔

---

(۱) القرآن، البقرة، ۲: ۲۸۶

تو اس وقت وہ شے اپنی اِباحت کے اُصول پر جائز رہتی ہے، خواہ نئی ہو یا پرانی۔

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیلِ کم نظری، قصّۂ جدید و قدیم

کسی شے کا محض پرانا یا نیا ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس کا معنی تب متعین ہوتا ہے جب وہ شئے کتاب وسنت کی کسوٹی پر پرکھی جائے۔ جو شئے قرآن کی نص سے متعارض ہو یا سنتِ رسول ﷺ اور اِجماعِ صحابہ کی مخالف ہو تو ایسی چیز بہرحال ناجائز اور مردود ہوگی چاہے اسے کرنے والے کوئی بڑے معتبر افراد ہی کیوں نہ ہوں اور اگر کوئی شئے قرآن و سنت اور اِجماع صحابہ کی مخالف نہیں ہے اور اس پر بالصراحت نہی وارد نہیں ہوئی تو وہ شئے جائز ہوگی خواہ ساری اُمت مل کر اس کی حرمت کا فتویٰ کیوں نہ صادر کر دے۔ اس لئے کہ کسی شئے کو حرام کرنے کا اختیار اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہی ہے کسی اور کو نہیں۔

www.MinhajBooks.com

فصل دوم

کسی شے کا عدمِ ذکر دلیلِ حرمت نہیں ہے

حضور ﷺ اور صحابہ سے کسی عمل کا ذکر ثابت نہ ہونا، بدعتِ محرّمہ نہیں

عدمِ ثبوتِ فعل کے حکم کا اُصولی ضابطہ

نفسِ مسئلہ پر کتاب وسنت کے دلائل

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کسی عمل کا ثابت نہ ہونا، بدعتِ محرّمہ نہیں

حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کسی کام کو ترک کر دینا اس کی حرمت کی دلیل نہیں ہوسکتا ورنہ ہر وہ عمل جس کو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان نہیں کیا اور اس کا ذکر مناسب نہیں سمجھا وہ بھی حرام ہو جاتا، کیونکہ اگر حضور ﷺ یا صحابہ کے ترک کر دینے سے کوئی کام بدعت سیۂہ بن جاتا ہے تو کیا قرآن میں ترکِ ذکر سے وہ بدعت نہیں بنے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً بلکہ بطریق اولیٰ بدعتِ مذمومہ بنے گا لہٰذا ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ترکِ ذکر یا عدمِ ثبوتِ فعل حرمت کی دلیل نہیں کیونکہ عدمِ ثبوتِ فعل اور ثبوت عدمِ جواز (یعنی فعل کا نہ کرنا اور فعل کا حرام ہونا) دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

''عدمِ ثبوتِ فعل'' کے حکم کا اُصولی ضابطہ

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) ''فتح الباری'' میں نقل کرتے ہیں:

الفعل يدل على الجواز وعدم الفعل لايدل على المنع۔(۱)

''کسی کام کا کرنا اس کے جواز کی دلیل ہے اور نہ کرنا منع کی دلیل نہیں''

علامہ ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) ''فتح القدير'' میں فرماتے ہیں:

ثم الثابت بعد هذا نفى المندوبية أما ثبوت الكراهة فلا اِلاَّ أن

(۱) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۰: ۱۵۵

يدل دليل آخر۔(۱)

’’(یعنی حضور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے) نہ کرنے سے اِس قدر ثابت ہوا کہ مندوب نہیں۔ رہا کراہت کا ثبوت وہ اس وقت تک متحقق نہیں ہوتا جب تک اور کوئی دلیل اِس (کراھت) پر قائم نہ ہو۔‘‘

نفسِ مسئلہ پر کتاب و سنت سے دلائل

اسلام ایک آسان، واضح اور قابل عمل دین ہے۔ شریعتِ مطہرہ میں کوئی شے اس وقت تک ناجائز اور حرام قرار نہیں پاتی ہے جب تک قرآن و سنت اسے ناجائز اور حرام قرار نہ دے دیں۔ جس شے کو کتاب و سنت میں صراحت کے ساتھ حرام نہیں قرار دیا گیا اسے ازروئے شرع حرام تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں شریعتِ اسلامیہ نے جائز اور حلال اشیاء کی فہرست نہیں گنوائی بلکہ ناجائز اور حرام چیزوں کی فہرست مہیا کر دی ہے جو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقرر کردہ واضح احکام پر مشتمل ہے مثلاً خنزیر، بہتا ہوا لہو، مردار اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے گئے جانوروں کے گوشت وغیرہ کو بالصراحت حرام قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح دیگر مشروبات و ماکولات، رشتوں، معاملات اور عقائد میں سے جملہ محرمات گنوا کر مسلمانوں کو آگاہ کر دیا گیا کہ فلاں فلاں چیزیں تمہارے لئے حرام ہیں اور ان کے علاوہ اس کائنات ارضی وسماوی میں جو کچھ بھی ہے اسے تمہارے لئے حلال اور مسخر کر دیا تا کہ تم ان سے استفادہ کرو۔ ارشادِ خداوندی ہے:

www.MinhajBooks.com

(۱) ۱۔ ابن ہمام، فتح القدير، ۱: ۴۴۶
۲۔ ابن نجیم حنفی، البحر الرائق، ۱: ۲۶۶
۳۔ ابن عابدین، حاشیہ ابن عابدین، ۲: ۱۴
۴۔ السیواسی، شرح فتح القدير، ۱: ۴۴۶

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِنْهُ۔(۱)

''اور اُس نے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کو اپنی طرف سے (نظام کے تحت) مسخر کر دیا ہےo''

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جملہ نعمتیں انسان کے لئے پیدا کیں اور ان پر اسے جائز استعمال کا اختیار دے کر احسان فرمایا۔ اگر وہ خالقِ کائنات، رحمٰن و رحیم خود انسان پر ان نعمتوں کو حرام ٹھہرا دیتا اور انہیں ان سے مستفید ہونے کی اجازت نہ دیتا تو اس کا کیا ہوا یہ وعدہ کیونکر اس کے رب العالمین ہونے پر شہادت فراہم کرتا جو اس قرآنی ارشاد میں مذکور ہے:

اَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللهَ سَخَّرَلَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَ بَاطِنَةً۔(۲)

''(لوگو!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے ان تمام چیزوں کو مسخّر فرما دیا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور اس نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں۔''

قرآنی ارشاد کی رو سے حلال و جائز اشیاء کے عموم کے پیشِ نظر جب ہم حرام اشیاء پر غور کرتے ہیں تو یہاں بھی ہمیں اس کی رحمتوں اور بے پایاں مہربانیوں کا اعتراف کرنا پڑتا ہے اس لئے کہ جو اشیاء بھی اسلام میں حرام ٹھہرائی گئی ہیں خواہ ان کا حکم اللہ رب العزت نے دیا ہو یا اس کے پیارے رسول ﷺ نے انہیں اپنے تشریعی و تکوینی اختیارات سے حرام ٹھہرایا ہو، وہ حکم کسی خاص مصلحت اور حکمت پر مبنی ہوتا ہے مثلاً اسلامی شریعت میں حرام کی گئی اشیائے خورد و نوش میں جو قباحتیں اور ضرر رسانیاں مضمر ہیں چودہ صدیاں

(۱) القرآن، الجاثیہ، ۴۵: ۱۳
(۲) القرآن، لقمان، ۳۱: ۲۰

گزرنے کے بعد آج انہیں جدید سائنسی تحقیقات ان کی تصدیق کر رہی ہیں۔ مذکورہ ضرر رساں اشیاء کے علاوہ کائنات کی تمام چیزیں حلال قرار دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هُوَ الَّذِی خَلَقَ لَکُم مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔(۱)

’’وہی (اللہ) ہے جس نے زمین کی ساری چیزیں تمہارے لئے پیدا کر دیں۔‘‘

اصل حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے حرام چیزیں بیان کر دی ہیں اور جن چیزوں کے بارے میں خاموش ہے وہ جائز ہیں۔قرآن کا قاعدہ ہے:

قَدْ فَصَّلَ لَکُمْ مَا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ۔(۲)

’’اس نے تمہارے لئے ان (تمام) چیزوں کو تفصیلاً بیان کردیا ہے جو اس نے تم پرحرام کی ہیں۔‘‘

اس آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ جن کا ذکر نہیں کیا گیا وہ حلال ہیں کیونکہ ترکِ ذکر کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ مباح ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ **ترکِ ذکر اباحت کی دلیل ہے نہ کہ حرمت کی۔**

ایک اور مقام پر قرآن محرمات (وہ عورتیں جن سے شادی کرنا ممنوع ہیں) کا ذکر کرنے کے بعد کہتا ہے:

وَ اُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰالِکُمْ۔(۳)

’’اور اس کے سوا (سب عورتیں) تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں۔‘‘

اس آیت مبارکہ میں قرآن واضح کر رہا ہے کہ ترکِ ذکر حرمت کی نہیں بلکہ حلت کی دلیل ہے تو جب قرآن میں ترک ذکر حلت کی دلیل ہے تو پھر حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ترکِ فعل کیسے حرمت کی دلیل بن گیا۔

(۱) القرآن، البقرة، ۲: ۲۹

(۲) القرآن، الانعام، ۶: ۱۱۹

(۳) القرآن، النساء، ۴: ۲۴

قابلِ توجہ نکتہ

اس تصریح کے بعد یہ اَمر بھی قابل توجہ ہے کہ شریعت اگر اس چیز کا نام ہو کہ جسے خدا اور اس کے رسول ﷺ نے جائز اور حلال فرمایا اس کو جائز اور جس پر شریعت خاموش ہے اس کو ناجائز اور حرام ٹھہرا لیا جائے تو پھر روز مرہ زندگی میں صبح شام ہزاروں امور ایسے ہیں جن کا حکم نہ اللہ نے دیا ہے اور نہ حضور ﷺ نے ان کے متعلق بظاہر کچھ فرمایا ہے مثلاً ہمارے کھانے، پینے، پہننے، اوڑھنے اور بچھونے کی اَشیاء غرضیکہ ہمارا ہر لمحہ حیات ایسی چیزوں سے وابستہ ہے جو ہماری زندگی میں جزو لاینفک کی حیثیت حاصل کر چکی ہیں جو عہدِ نبوی اور دورِ صحابہ میں موجود نہیں تھیں، تو وہ بھی حرام ٹھہریں گی اور اس طرح ان لاکھوں نئے معاملات میں گھری ہوئی ہماری مکمل زندگی اس تصور بدعت کے زمرے میں آ کر جمود و تعطل کا شکار ہو جائے گی اور شریعتِ اسلامیہ کی کشش اور تازگی ختم ہو جائے گی۔ یقیناً ایسا نہیں ہے بلکہ وہ معاملات جن کے متعلق قرآن وسنت کے صریح احکامات موجود نہیں ہیں انہیں حضور ﷺ نے **وما سکت عنه فهو مما عفا عنه** فرما کر جائز اور مباح قرار دے دیا۔ اس حوالے سے چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ **اِمام ترمذیؒ** (۲۷۹ھ) جامع ترمذی، کتاب اللباس میں روایت کرتے ہیں جب حضور ﷺ سے ایک بار گھی، پنیر اور دوسری اشیائے خوردنی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

الحلال ما أحلّ الله فی کتابه و الحرام ما حرّم الله فی کتابه وما سکت عنه فهو مما عفا عنه۔ (۱)

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب اللباس، باب فی لبس الفراء، ۴: ۲۲۰، رقم: ۱۷۲۶

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الاطعمة، باب أکل الجبن و السمن، ۲: ۱۱۱۷، رقم: ۳۳۶۷

''وہ (چیز) حلال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حلال ٹھہرایا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام ٹھہرا دیا ہے۔ اور وہ اشیاء جن کے بارے میں سکوت اختیار فرمایا گیا ہے تو وہ تمہارے لئے معاف ہیں۔''

۲۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ما أحلّ اللہ فی کتابہٖ فھو حلال وما حرّم فھو حرام وما سکت عنہُ فھو عافیة فاقبلوا من اللہ عافیة ان اللہ لم یکن نسیا۔ (۱)

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۶: ۲۵۰، رقم: ۶۱۲۴
۴۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۱۲۹، رقم: ۷۱۱۵
۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۲
۶۔ دیلمی، الفردوس بما ثور الخطاب، ۲: ۱۵۸، رقم: ۲۸۰۰
۷۔ ابراہیم حسینی، البیان والتعریف، ۲: ۳۰، رقم: ۹۶۶
۸۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۲: ۲۲۱
۹۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۲۰۶

(۱) ۱۔ بیہقی، سنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۲
۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب اللباس، باب فی لبس الفراء، ۴: ۲۲۰، رقم: ۱۷۲۶
۳۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب الاطعمة، باب أکل الجبن و السمن، ۲: ۱۱۱۷، رقم: ۳۳۶۷
۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۶: ۲۵۰، رقم: ۶۱۲۴
۵۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۱۲۹، رقم: ۷۱۱۵
۶۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۲
۷۔ دیلمی، الفردوس بما ثور الخطاب، ۲: ۱۵۸، رقم: ۲۸۰۰
۸۔ ابراہیم حسینی، البیان والتعریف، ۲: ۳۰، رقم: ۹۶۶

’’جس (چیز) کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا ہے وہ حلال ہے اور جس (چیز) کو حرام قرار دیا ہے وہ حرام ہے۔ اور جس (چیز) پر خاموشی اختیار کی ہے تو وہ تمہارے لیے معاف ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ سے عافیت لے لو بے شک اللہ تعالیٰ بھولنے والا نہیں۔‘‘

۳۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ تعالیٰ فرض فرائض فلا تضیعوھا وحرّم حرمات فلا تنتھکوھا وحدّ حدوداً فلا تعتدوھا وسکت عن أشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا۔(۱)

’’بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ باتیں فرض کی ہیں۔ انہیں ہاتھ سے نہ جانے دو اور کچھ حرام فرمائی ہیں ان کی حرمت نہ توڑو اور کچھ حدیں باندھی ہیں ان سے آگے نہ بڑھو اور کچھ چیزوں سے بغیر بھولے سکوت فرمایا ہے ان کی کھوج نہ لگاؤ۔‘‘

ملا علی قاریؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِس ارشاد کہ **لا تبحثوا عن**

(۱) ۱۔ دارقطني، السنن، ۴: ۱۸۴، رقم: ۴۲
۲۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۲۲: ۲۲۲، رقم: ۵۸۹
۳۔ بیهقي، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۲
۴۔ هیثمي، مجمع الزوائد، ۱: ۱۷۱
۵۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۱۷: ۶۲۶
۶۔ ابو نعیم، حلیة الاولیاء، ۹: ۱۷
۷۔ قرطبی، الجامع لاحکام القران، ۶: ۳۳۴
۸۔ طبری، جامع البیان، ۷: ۸۵

تلک الاشیاء (ان چیزوں سے بحث نہ کرو) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دل علی أن الاصل فی الاشیاء الاباحة کقوله تعالیٰ هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا۔(۱)

''یہ فرمانِ نبوی بھی اِس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اَشیاء میں اصل اِباحت ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اِرشاد ''هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا'' سے اباحت ثابت ہوتی ہے۔''

۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! تم پر حج فرض ہو گیا پس حج کیا کرو۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا حج ہر سال فرض ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے حتی کہ اس نے تین بار یہی سوال کیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا اور تم اس کی ادائیگی کی طاقت نہ رکھتے پھر آپ نے فرمایا:

ذرونی ما ترکتکم فإنما هلک من کان قبلکم بکثرة سؤالهم و إختلافهم علی أنبیائهم فَإذَا أمرتکم بشيءٍ فأتوا منه ما استطعتم و إذا نهیتکم عن شئ فدعوه۔(۲)

(۱) ملاعلی قاری، مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح، ۱: ۲۲۳

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب فرض الحج، ۲: ۹۷۵، رقم: ۱۳۳۷

۲۔ ابن ماجه، السنن، باب اتباع سنة رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۱: ۳، رقم: ۲

۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۵۰۸، رقم: ۱۰۶۱۵

۴۔ اسحاق بن راهویه، المسند، ۱: ۱۵۱، رقم: ۹۱

۵۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۴: ۳۲۵، رقم: ۸۳۹۸

۶۔ ابو نعیم، المسند المستخرج علی صحیح الامام المسلم، ۴: ۱۱، رقم: ۳۱۰۸

۷۔ ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱: ۸۹

’’جس بات کی میں نے تم پر تنگی نہیں کی اس میں مجھ سے تفتیش (یعنی سوال) نہ کیا کرو کیونکہ اگلی اُمتیں اپنے اَنبیاء سے کثرت سے سوالات کرنے اور ان سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ پس جب میں کسی چیز کا حکم دوں تو اسے بقدرِ قدرت بجا لاؤ اور جب کسی چیز سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔‘‘

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی درج بالا حدیثِ مبارکہ صحیح ابن حبان میں ان الفاظ سے بھی مروی ہے:

ذرونی ما ترکتکم فإنما هلک الذین قبلکم بکثرة سؤالهم و إختلافهم علی أنبیائهم فإذا نهیتکم عن شيء فاجتنبوه و إذا أمرتکم بأمر فأتوا منه ما استعطتم۔[1]

’’جس بات کی میں نے تم پر تنگی نہیں کی اس میں مجھ سے تفتیش (یعنی سوال) نہ کرو کیونکہ اگلی اُمتیں اپنے اَنبیاء سے کثرتِ سوالات اور ان سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں پس میں جس بات سے منع کروں تو اس سے بچو اور جس کا حکم دوں اسے بقدرِ استطاعت بجا لاؤ۔‘‘

(۱) ۱۔ ابن حبان، الصحیح، ۹: ۱۸، رقم: ۳۷۰۴
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۴۷، رقم: ۷۳۶۱
۳۔ ابن راھویة، المسند، ۱: ۱۳۴، رقم: ۶۰
۴۔ ابو یعلی، المسند، ۱۱: ۱۹۵، رقم: ۶۳۰۵
۵۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۲۴۱، رقم: ۳۱۳۷
۶۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱: ۱۵۸
۷۔ ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱: ۸۹
۸۔ هبة الله، اعتقاد اهل السنة، ۱: ۱۱۴، رقم: ۱۷۶
۹۔ ذهبی، سیر اعلام النبلاء، ۵: ۳۱۲

خلاصۂ بحث

ان آیات واحادیث کی روشنی میں شریعتِ مطہرہ کا یہ اُصول اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے یعنی جن اشیاء کو شریعت نے حلال قرار دیا وہ حلال ہیں اور جنہیں حرام قرار دیا وہ حرام ہیں اور جن اشیاء کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ان کے بارے میں کوئی بھی حکم حلال و حرام کا نہ دیا گیا ہو وہ مباح اور جائز ہوں گی کسی شئے کو محض عدمِ ذکر یا عدمِ ثبوت کی وجہ سے ناجائز یا حرام تصور کرنا شریعت کے منافی اور اسلام کے متعین کردہ نظامِ حلت و حرمت سے انحراف کے مترادف ہے کیونکہ کسی شے پر شارع علیہ السلام کا سکوت فرمانا بذاتِ خود اس شئے کے مباح اور جائز ہونے کی دلیل ہے۔

مآخذ و مراجع

www.MinhajBooks.com

۱۔ **القرآن الحکیم۔**

۲۔ **آجرّی،** ابو بکر محمد بن حسین بن عبداللہ (م ۳۶۰ھ)۔ کتاب الشریعة۔ ریاض، سعودی عرب: دار الوطن، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء۔

۳۔ **آلوسی،** ابو الفضل شہاب الدین السید محمود۔ روح المعاني في تفسير القرآن العظيم و السبع المثاني۔ بیروت، لبنان: دار الاحیاء التراث۔

۴۔ **ابن ابی حاتم رازی،** ابو محمد عبد الرحمٰن (۲۴۰۔۳۲۷/۸۵۴۔۹۳۸)۔ الجرح و التعدیل۔ حیدر آباد دکن، بھارت، مجلس دائرہ معارف عثمانیہ۔

۵۔ **ابن ابی دنیا،** عبداللہ بن محمد ابوبکر القریشی (۲۰۸۔۲۸۱ھ)۔ مکارم الاخلاق۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ القرآن، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء۔

۶۔ **ابن ابی شیبہ،** ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان کوفی (۱۵۹۔۲۳۵ھ/ ۷۷۶۔۸۴۹ء)۔ المصنف۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ۔

۷۔ **ابن ابی عاصم،** ابوبکر بن عمرو بن ضحاک بن مخلد شیبانی (۲۰۶۔۲۸۷ھ/۸۲۲۔ ۹۰۰ء)۔ السنة۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۰ھ۔

۸۔ **ابن اثیر،** ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد شیبانی جزری (۵۵۵۔ ۶۳۰ھ/۱۱۶۰۔۱۲۳۳ء)۔ الكامل في التاريخ۔ بیروت، لبنان: دار صادر، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

۹۔ **ابن اثیر،** ابو السعادات مبارک بن محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبدالواحد شیبانی

جزری (۵۴۴۔۶۰۶ھ/ ۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ **النهايه فی غريب الحديث والأثر۔** قم، ایران: مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان، ۱۳۶۴ھ۔

۱۰۔ **ابن باز**، عبدالعزیز بن عبد اللہ بن باز، (۱۴۲۱ھ)۔ **فتاوی اللّجنه الدائمة للبحوث العلميه و الإفتاء۔** الریاض، سعودی عرب: مکتبۃ المعارف، ۱۴۱۲ھ۔

۱۱۔ **ابن تیمیہ**، احمد بن عبدالحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/ ۱۲۶۳۔ ۱۳۲۸ء)۔ **منهاج السنة۔** مصر: مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق۔

۱۲۔ **ابن تیمیہ**، احمد بن عبدالحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/ ۱۲۶۳۔ ۱۳۲۸ء)۔ **کتب و رسائل و فتاوی ابن تيميه فی الفقه۔** مکتبۃ ابن تیمیہ۔

۱۳۔ **ابن جارود**، ابو محمد عبد اللہ بن علی بن جارود نیشاپوری (۳۰۷ھ)۔ **المنتقی من السنن المسندة۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ الکتاب الثقافیۃ، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔

۱۴۔ **ابن جعد**، ابو الحسن علی بن جعد بن عبید ہاشمی (۱۳۳۔۲۳۰ھ/ ۷۵۰۔۸۴۵ء)۔ **المسند۔** بیروت، لبنان: مؤسسہ نادر، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۱۵۔ **ابن جوزی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔۵۹۷ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ **المنتظم فی تاريخ الملوک والأمم۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۱۶۔ **ابن جوزی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔۵۹۷ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ **تلبیس اِبلیس۔** قاہرہ، مصر: منشورات مکتبۃ التحریر۔

۱۷۔ **ابن جوزی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔۵۹۷ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ **التحقيق فی أحاديث الخلاف۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۱۸۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/ ۸۸۴۔

۹۶۵ء)۔ طبقات المحدثين باصبهان و الواردين عليها۔ بيروت، لبنان: مؤسسة الرسالة، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء۔

۱۹۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/۸۸۴۔ ۹۶۵ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان: مؤسسة الرسالہ، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء۔

۲۰۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/۸۸۴۔ ۹۶۵ء)۔ السيرة النبوية واخبار الخلفاء۔ بیروت، لبنان: مؤسسة الكتب الثقافیہ، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء۔

۲۱۔ **ابن حجر مکی**، الشیخ احمد شہاب الدین بن حجر الھیتمی المکی (۹۰۹/۹۷۴ھ)۔ فتاوی حديثية۔ القاہرہ، مصر: مکتبہ مصطفیٰ البانی الحلبی، ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء۔

۲۲۔ **ابن حزم**، علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی (۳۸۴۔۴۵۶ھ/۹۹۴۔۱۰۶۴ء)۔ الاحکام فی اُصول الاحکام۔ فیصل آباد، پاکستان: ضیاء السنہ ادارۃ الترجمۃ والتعریف، ۱۴۰۴ھ۔

۲۳۔ **ابن حزم**، علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی (۳۸۴۔۴۵۶ھ/۹۹۴۔۱۰۶۴ء)۔ المحلی بلآثار۔ بیروت، لبنان: دار الآفاق الجدیدہ۔

۲۴۔ **ابن حمید**، عبد بن حمید بن نصر ابو محمد الكسي (۲۴۹ھ)۔ المسند۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ السنۃ، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء

۲۵۔ **ابن خزیمہ**، ابو بکر محمد بن اسحاق (۲۲۳۔۳۱۱ھ/ ۸۳۸۔۹۲۴ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء۔

۲۶۔ **ابن خلدون**، عبدالرحمٰن بن خلدون (۷۳۶۔۸۰۸ھ)۔ تاریخ ابن خلدون۔ ازہر، مصر: المطبعۃ البھیۃ المصریۃ۔

۲۷۔ **ابن راہویہ**، ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن ابراہیم بن عبداللہ (۱۶۱۔

۲۳۷ھ/ ۸۵۱-۷۷۸ء)۔ المسند۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مكتبة الايمان، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۲۸۔ **ابن رجب حنبلی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن احمد (۷۳۶-۷۹۵ھ)۔ جامع العلوم والحكم فى شرح خمسين حديثا من جوامع الكلم۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۸ھ۔

۲۹۔ **ابن رجب حنبلی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن احمد (۷۳۶-۷۹۵ھ)۔ التخويف من النار۔ دمشق: مکتبہ دار البیان، ۱۳۹۹ھ۔

۳۰۔ **ابن سعد**، ابو عبد اللہ محمد (۱۶۸-۲۳۰ھ/ ۷۸۴-۸۴۵ء)۔ الطبقات الكبرىٰ۔ بیروت، لبنان: دار بیروت للطباعہ والنشر، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۳۱۔ **ابن سلام**، ابی عبدالقاسم بن سلام (۲۲۴ھ)۔ كتاب الأموال۔ قاہرہ، مصر، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع۔

۳۲۔ **ابن عابدین شامی**، محمد بن محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین دمشقی (۱۲۴۴-۱۳۰۶ھ)۔ رد المحتار على درالمختار۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبہ ماجدیہ، ۱۳۹۹ھ۔

۳۳۔ **ابن عبد البر**، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد (۳۶۸-۴۶۳ھ/ ۹۷۹-۱۰۷۱ء)۔ الاستيعاب فى معرفة الاصحاب۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۴۱۲ھ۔

۳۴۔ **ابن عبد البر**، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد (۳۶۸-۴۶۳ھ/ ۹۷۹-۱۰۷۱ء)۔ التمهيد۔ مغرب (مراکش): وزارت عموم الأوقاف، ۱۳۸۷ھ۔

۳۵۔ **ابن عبدالسلام**، امام عزالدین بن عبد السلام السلمی الشافعی (۵۷۷-۶۶۰ھ/ ۱۱۸۱-۱۲۶۲ء)۔ قواعد الأحكام فى مصالح الأنام۔ بیروت، لبنان: ناشر دار الکتب العلمیۃ۔

۳۶۔ **ابن عبدالسلام**، امام عزالدین بن عبدالسلام السلمی الشافعی (۵۷۷۔۶۶۰ھ/ ۱۱۸۱۔ ۱۲۶۲ء)۔ فتاوی العز بن عبد السلام۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفۃ، ۱۴۰۶ھ

۳۷۔ **ابن فارس (۱۰۰۴ھ)**، تحقیق عبدالسلام ہارون۔ معجم مقاییس اللغۃ۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیۃ

۳۸۔ **ابن قتیبہ**، ابومحمد عبداللہ بن مسلم الدینوری (۲۱۳۔ ۲۷۶ھ)۔ المعارف۔ قاہرۃ، دار المعارف

۳۹۔ **ابن قدامہ**، ابو محمد عبداللہ بن احمد المقدسی (۶۲۰ھ)۔ المغنی فی فقہ الامام احمد بن حنبل الشیبانی۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۰۵ھ۔

۴۰۔ **ابن قیم**، محمد ابی بکر، ایوب الزرعی، ابوعبد اللہ (۶۹۱۔۷۵۱ھ)۔ أعلام الموقعین عن رب العالمین۔ مصر، مطبعۃ السعادۃ، ۱۳۷۴ھ۔

۴۱۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء اسماعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ البدایۃ والنہایۃ۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۴۲۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء اسماعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ تحفۃ الطالب۔ مکہ مکرمۃ، دارحراء، ۱۴۰۶ھ۔

۴۳۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء اسماعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ تفسیر القرآن العظیم۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۴۴۔ **ابن ماجہ**، ابوعبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۹۔۲۷۳ھ/۸۲۴۔۸۸۷ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۴۵۔ **ابن منظور افریقی**، امام العلامۃ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور المصری الافریقی (۷۱۱ھ)۔ لسان العرب۔ بیروت، لبنان: دار صادر۔

۴۶۔ **ابن نجیم**، الشیخ زین بن ابرہیم بن محمد بن محمد بن بکر الحنفی (۹۷۰ھ)۔ البحر

الرائق شرح کنز الدقائق۔ مصر: مطبوعۃ مطبعۃ علمیۃ، ۱۳۱۱ھ۔

۴۷۔ **ابن ہمام،** کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی (۶۸۱ھ)۔ فتح القدیر۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبہ رشیدیہ۔

۴۸۔ **ابن ہمام،** کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی (۶۸۱ھ)۔ شرح فتح القدیر۔ مصر: المکتبۃ التجاریۃ الکبری۔

۴۹۔ **ابو احمد الجرجانی،** عبداللہ بن عدی الجرجانی (۳۶۵ھ)۔ الکامل فی الضعفاء الرجال۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۲ھ۔

۵۰۔ **ابو الحسن الأشعری،** امام ابو الحسن علی الأشعری (۳۲۴ھ/ ۹۳۶ء)۔ مقالات الاسلامیین و إختلاف المصلین۔ مصر: مکتبۃ النہضۃ المصریۃ۔

۵۱۔ **ابو داود،** سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء۔

۵۲۔ **ابو داود،** سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۵۳۔ **ابو طالب القاضی۔** علل الترمذی الکبیر۔ بیروت، لبنان: عالم الکتب، مکتبہ النھضہ العربیہ، ۱۴۰۹ھ۔

۵۴۔ **ابوعوانہ،** یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن زید نیشاپوری (۲۳۰۔۳۱۶ھ/ ۸۴۵۔۹۲۸ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ، ۱۹۹۸ء۔

۵۵۔ **ابونعیم،** احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۵۶۔ **ابو نعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔ ۱۰۳۸ء)۔ **المسند المستخرج علی صحیح مسلم**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۶ء۔

۵۷۔ **ابو نعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔ ۱۰۳۸ء)۔ **مسند الامام ابی حنیفہ**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الکوثر، ۱۴۱۵ھ۔

۵۸۔ **ابو یعلی**، احمد بن علی بن مثنی بن یحیی بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔ ۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔ ۹۱۹ء)۔ **المسند**۔ دمشق، شام: دار المأمون للتراث، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء۔

۵۹۔ **ابو یعلی**، احمد بن علی بن مثنی بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔ ۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔ ۹۱۹ء)۔ **المعجم**۔ فیصل آباد، پاکستان: ادارۃ العلوم والاثریہ، ۱۴۰۷ھ۔

۶۰۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔ ۲۴۱ھ/ ۷۸۰۔ ۸۵۵ء)۔ **فضائل الصحابۃ**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ۔

۶۱۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔ ۲۴۱ھ/ ۷۸۰۔ ۸۵۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۶۲۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔ ۲۴۱ھ/ ۷۸۰۔ ۸۵۵ء)۔ **الرّد علی الجھمیۃ و الزّنادقۃ**۔ الریاض، سعودی عرب: اِدارات البحوث العلمیۃ والإفتاء و الدعوۃ و الإرشاد۔

۶۳۔ **اُزدی**، ربیع بن حبیب بن عمر بصری۔ **الجامع الصحیح مسند الامام الربیع بن حبیب**۔ بیروت، لبنان: دار الحکمۃ، ۱۴۱۵ھ۔

۶۴۔ **اِسماعیل حقی**، علامہ اِسماعیل حقی حنفیؒ (۱۱۳۷ھ)۔ **تفسیر روح البیان**۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبۂ اِسلامیہ کوئٹہ۔

۶۵۔ **باقری،** الشیخ جعفر محمد علی الباقری۔ **البدعة۔** قم، ایران: رابطة الثقافة والعلاقات الإسلامیة، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء۔

۶۶۔ **بخاری،** ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ **الصحیح۔** بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۶۷۔ **برکتی،** محمد بن عمیم الاحسان المجددی۔ **قواعد الفقه۔** کراچی، پاکستان، الصدف پبلشرز، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۶۸۔ **بزار،** ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۰۔۲۹۲ھ/ ۸۲۵۔۹۰۵ء)۔ **المسند۔** بیروت، لبنان: ۱۴۰۹ھ۔

۶۹۔ **بلاذری،** احمد بن یحیٰ بن جابر البلاذری (۲۷۹ھ)۔ **فتوح البلدان۔** بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ۔

۷۰۔ **بیہقی،** ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ **السنن الکبریٰ۔** مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء۔

۷۱۔ **بیہقی،** ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ **کتاب الاعتقاد۔** بیروت، لبنان: دار الآفاق الجدید، ۱۴۰۱ھ۔

۷۲۔ **بیہقی،** ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ **المدخل اِلٰی السنن الکبریٰ۔** الکویت، دار الخلفاء للکتاب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۷۳۔ **بیہقی،** ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ **شُعَبُ الایمان۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۷۴۔ **ترمذی،** ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسی بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/

۸۲۵۔ ۸۹۲ء)۔ الجامع الصحیح۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۷۵۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ الجامع الصحیح۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۷۶۔ ثعالبی، ابو منصور عبدالملک بن محمد بن اسماعیل الثعالبی (۳۵۰۔۴۲۹ھ)۔ ثمار القلوب فی المضاف والمنسوب۔ القاہرہ، دار المعارف، ۱۹۶۵ء۔

۷۷۔ جرجانی، علی بن محمد بن علی، سید شریف (۷۴۰۔ ۸۱۶ھ)۔ التعریفات۔ کراچی، پاکستان: مکتبہ حمادیہ، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔

۷۸۔ جصاص، أحمد بن علی الرازی ابو بکر (۳۰۵۔۳۷۰ھ)۔ أحکام القرآن۔ بیروت، لبنان: دار إحیاء التراث، ۱۴۰۵ھ۔

۷۹۔ جوہری، اسماعیل بن حماد الجوہری۔ الصحاح فی اللغة والعلوم۔ بیروت، دار الحضارة العربیة۔

۸۰۔ جوینی، ابو المعالی عبد الملک بن عبداللہ بن یوسف (۴۷۸ھ)۔ البرہان فی اُصول الفقه۔ المنصورہ، مصر: مطبع الوفاء، ۱۴۱۸ھ

۸۱۔ حارث، الحارث بن أبی أسامة/ الحافظ نور الدین الہیثمی (۱۸۶۔۲۸۲ھ)۔ مسند الحارث (زوائد الهيثمی)۔ المدینة المنورة، مرکز خدمة السنه والسيرة النبوية، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء۔

۸۲۔ حاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ المستدرک علی الصحیحین۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۸۳۔ حاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔

المستدرک علی الصحیحین۔ مکہ، سعودی عرب: دارالباز للنشر و التوزیع۔

۸۴۔ **حسینی**، ابراہیم بن محمد (۱۰۵۴۔۱۱۲۰ھ)۔ البیان و التعریف۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۱ھ۔

۸۵۔ **حصکفی**، علامہ الشیخ علاء الدین الحصکفی (۱۰۸۸ھ۔۱۶۷۷ء)۔ در مختار علی ھامش الرد۔ کراچی، پاکستان: ایچ ایم سعید کمپنی۔

۸۶۔ **حلبی**، علی بن برہان الدین (۱۴۰۴ھ)۔ السیرة الحلبیة/ انسان العیون۔ بیروت، لبنان، دارالمعرفہ، ۱۴۰۰ھ۔

۸۷۔ **حلبی**، علی بن برہان الدین (۱۴۰۴ھ)۔ غنیة المستملی شرح منیة المصلی۔ دہلی، انڈیا، مطبع مجتبائی۔

۸۸۔ **حموی**، ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ (متوفی: ۶۲۶ھ)۔ المعجم البلدان۔ بیروت، لبنان: دار الفکر۔

۸۹۔ **حمیدی**، ابو بکر عبداللہ بن زبیر (م ۲۱۹ھ/۸۳۴ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ + قاہرہ، مصر: مکتبۃ المتنبی۔

۹۰۔ **خطیب بغدادی**، ابوبکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت (۳۹۲۔۴۶۳ھ/۱۰۰۲۔۱۰۷۱ء)۔ تاریخ بغداد۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۹۱۔ **خطیب بغدادی**، ابوبکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت (۳۹۲۔۴۶۳ھ/۱۰۰۲۔۱۰۷۱ء)۔ موضع اوھام الجمع والتفریق۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۹۲۔ **دارمی**، ابومحمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱۔۲۵۵ھ/ ۷۹۷۔۸۶۹ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۹۳۔ **دار قطنی**، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶۔

۳۸۵ھ/ ۹۱۸۔۹۹۵ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء۔

۹۴۔ **دار قطنی**، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶۔ ۳۸۵ھ/ ۹۱۸۔۹۹۵ء)۔ **علل دار قطنی**۔ الریاض، سعودی عرب، دار الطیبہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۹۵۔ **دیلمی**، ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسرو ہمذانی (۴۴۵۔۵۰۹ھ/ ۱۰۵۳۔۱۱۱۵ء)۔ **الفردوس بمأثور الخطاب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۶ء۔

۹۶۔ **ذہبی**، شمس الدین محمد بن احمد (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔ **تاریخ الاسلام**۔ القاہرۃ، مصر: مطبعۃ المدنی۔

۹۷۔ **ذہبی**، شمس الدین محمد بن احمد (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔ **سیر أعلام النبلاء**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۳ھ۔

۹۸۔ **ذہبی**، شمس الدین محمد بن احمد (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔ **میزان الاعتدال فی نقد الرجال**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۵ء۔

۹۹۔ **ذہبی**، شمس الدین محمد بن احمد (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔ **العبر فی خبر من غبر**۔ مکۃ المکرّمۃ، سعودی عرب: دار الباز للنشر و التوزیع، ۱۴۰۵ھ۔

۱۰۰۔ **رازی**، محمد بن عمر بن حسن بن حسین بن علی تیمی (۵۴۳۔۶۰۶ھ/ ۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ **التفسیر الکبیر**۔ تہران، ایران: دار الکتب العلمیہ۔

۱۰۱۔ **رامہر مزی**، ابوالحسن حسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد (۲۶۰۔۳۶۰ھ)۔ **المحدث الفاصل بین الراوی و الواعی**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۴ھ۔

۱۰۲۔ **رامہر مزی**، ابوالحسن حسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد (۲۶۰۔۳۶۰ھ)۔ **امثال الحدیث**۔ بیروت، لبنان: مؤسسہ الکتب الثقافیہ، ۱۴۰۹ھ۔

۱۰۳۔ رحیلی، الدکتور ابراهیم بن عامر۔ موقف أهل السنة والجماعة من أهل الاهواء والبدع۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبة العلوم والحکم ۱۴۲۲ھ

۱۰۴۔ رویانی، ابو بکر فی بن ہارون (م ۳۰۷ھ)۔ المسند۔ قاہرہ، مصر: مؤسسہ قرطبہ، ۱۴۱۶ھ۔

۱۰۵۔ زبیدی، امام محبّ الدین ابو فیض السید محمد مرتضی الحسینی الواسطی الحنفی (۱۱۴۵-۱۲۰۵ھ/۱۷۳۲-۱۷۹۱ء)۔ تاج العروس من جواهر القاموس۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۹۹۴ء/۱۴۱۴ھ۔

۱۰۶۔ زرقانی، ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن احمد بن علوان مصری ازہری مالکی (۱۰۵۵-۱۱۲۲ھ/۱۶۴۵-۱۷۱۰ء)۔ شرح الزرقانی علی مؤطا الإمام مالک۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ۔

۱۰۷۔ زرکشی، علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ (۷۹۴ھ)۔ المنثور فی القواعد۔ کویت: وزارۃ الاوقاف، ۱۴۰۵ھ۔

۱۰۸۔ زمخشری، امام جار اللہ محمد بن عمر بن محمد خوارزمی (۴۶۷-۵۳۸ھ)۔ الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل۔ قاھرہ، مصر: ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء۔

۱۰۹۔ زیلعی، ابو محمد عبد اللہ بن یوسف حنفی (م ۷۶۲ھ)۔ نصب الرایة لأحادیث الهدایہ۔ مصر: دار الحدیث، ۱۳۵۷ھ۔

۱۱۰۔ سخاوی، الشیخ شمس الدین محمد عبد الرحمٰن (۹۰۲ھ)۔ القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: المکتبة العلمیہ، ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء۔

۱۱۱۔ سخاوی، الشیخ شمس الدین محمد عبد الرحمٰن (۹۰۲ھ)۔ فتح المغیث شرح الفیة الحدیث۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔

۱۱۲۔ **سدوسی**، یعقوب بن شیبۃ بن الصلت ابو یوسف (۱۸۲۔۲۶۸ھ)۔ مسند عمر بن الخطاب۔ بیروت، لبنان: دار الکتب الثقافیہ،۱۴۰۵ھ۔

۱۱۳۔ **سرخسی**، امام شمس الدین (۴۸۳ھ)۔ کتاب المبسوط۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۱۱۴۔ **سنوسی**، علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی (۸۹۵ھ)۔ مکمل اِکمال المعلم۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۱۵۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ الجامع الصغیر فی أحادیث البشیر النذیر۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ۔

۱۱۶۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ تاریخ الخلفاء۔ بغداد، عراق: مکتبۃ الشرق الجدید۔

۱۱۷۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ الإشباہ والنظائر۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ۔

۱۱۸۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ شرح السنن ابن ماجہ۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ۔

۱۱۹۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی۔ سعودی عرب: مکتبہ الریاض الحدیثہ

www.MinhajBooks.com

۱۲۰۔ **سیوطی**، امام جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمان بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان السیوطی، (۸۴۹-۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵-۱۵۰۵ء)۔ **الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج**۔ بیروت، لبنان: شرکۃ دار الأرقم بن ابی الأرقم۔

۱۲۱۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **الحاوی للفتاوی**۔ لائلپور، پاکستان: مکتبہ نوریہ رضویہ۔

۱۲۲۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **حسن المقصد فی عمل المولد**۔ بیروت لبنان: دارالکتب العلمیۃ (۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ھ)۔

۱۲۳۔ **سیوطی**، جلال الدین ابوالفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔ ۱۵۰۵ء)۔ **تنویر الحوالک شرح موطا مالک**۔ مصر: مکتبہ التجاریہ الکبری، ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء۔

۱۲۴۔ **سہارنپوری**، احمد علی سہارنپوری (۱۲۹۷ھ)۔ **حاشیہ بخاری**۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ، ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء۔

۱۲۵۔ **شاشی**، ابوسعید ہیثم بن کلیب بن شریح (م ۳۳۵ھ/ ۹۴۶ء)۔ **المسند**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۴۱۰ھ۔

۱۲۶۔ **شاطبی**، ابراہیم بن موسیٰ اللخمی الشاطبی (۹۰ھ)۔ **الاعتصام**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفۃ، ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء۔

۱۲۷۔ **شاطبی**، ابراہیم بن موسیٰ اللخمی الشاطبی (۹۰ھ)۔ **الموافقات فی اصول الشریعہ**۔ قاھرہ، مصر مطبع المدنی، ۱۹۶۹ء۔

۱۲۸۔ **شاہ ولی اللہ**، محدث دہلوی، (متوفی: ۱۱۷۴ھ/ ۱۷۶۲ء)۔ **ازالۃ الخفاء عن**

www.MinhajBooks.com

خلافة الخلفاء۔ قرآن محل، مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی۔

۱۲۹۔ **شبیر احمد عثمانی**، (۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء)۔ فتح الملهم بشرح صحیح مسلم۔ کراچی، پاکستان: مکتبہ رشیدیہ۔

۱۲۹۔ **شربینی**، الشیخ محمد الشربینی الخطیب،(۹۷۷ھ)۔ مغنی المحتاج الی معرفة معانی الفاظ المنهاج۔ بیروت ،لبنان: دار إحیاء التراث العربی،۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء۔

۱۳۰۔ **شروانی**،الشیخ عبدالحمید۔ حواشی الشروانی۔ دار صادر۔

۱۳۱۔ **شعرانی**، ابو العمران عبدالوهاب بن احمد بن علی ال الشافعی المصری المعروف بالشعرانی، (۸۹۸۔۹۷۳ھ)۔ الیواقیت و الجواهر فی بیان عقائد الاکابر۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۱۳۲۔ **شمس الحق**، محمد شمس الحق عظیم آبادی أبو طیب۔ عون المعبود شرح سنن ابی داؤد۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ۔

۱۳۳۔ **شوکانی**، محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ/۱۷۶۰۔۱۸۳۴ء)۔ نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

۱۳۴۔ **شہرستانی**، ابو الفتح محمد بن عبدالکریم بن ابی بکر أحمد (۴۷۹۔۵۴۸ھ)۔ الملل و النحل۔ بیروت، لبنان: دار المعرفۃ، ۲۰۰۱ء۔

۱۳۵۔ **شیبانی**، ابوبکر احمد بن عمرو بن ضحاک بن مخلد (۲۰۶۔۲۸۷ھ/۸۲۲۔۹۰۰ء)۔ الآحاد و المثانی۔ ریاض، سعودی عرب: دار الرایہ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء۔

۱۳۶۔ **صالحی شامی**، ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف شامی (۹۴۲ھ/ ۱۵۳۶ء)۔ سبل الهدیٰ والرشاد۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء۔

۱۳۷۔ **صنعانی**، محمد بن اسماعیل امیر (۷۷۳۔۸۵۲ھ)۔ سبل السلام شرح بلوغ المرام۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۳۷۹ھ۔

۱۳۸۔ **طاہر القادری**، ڈاکٹر محمد۔ عرفان القرآن۔ لاہور، پاکستان: منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء۔

۱۳۹۔ **طاہر پٹنی**، علامہ محمد طاہر پٹنی (۹۸۶ھ)۔ مجمع بحار الانوار۔ لکھنؤ۔ انڈیا: مطبع منشی نولکشور۔

۱۴۰۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ مسند الشامیین۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۴ء۔

۱۴۱۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ المعجم الاوسط۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ المعارف، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۱۴۲۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ المعجم الکبیر۔ موصل، عراق: مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۳ء۔

۱۴۳۔ **طبری**، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۱۴۴۔ **طبری**، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ تاریخ الامم والملوک۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۷ھ۔

۱۴۵۔ **طبری**، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ تہذیب الآثار۔ مصر، القاہرہ: مطبعۃ المدنی۔

۱۴۶۔ **طحاوی**، ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبد الملک بن سلمہ (۲۲۹۔۳۲۱ھ/ ۸۵۳۔۹۳۳ء)۔ شرح معانی الآثار۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۳۹۹ھ۔

۱۴۷۔ **طحطاوی**، احمد بن محمد طحطاوی (۱۲۳۱ھ)۔ حاشیہ طحطاوی علی مراقی

الفلاح۔ مصر: مطبع مصطفیٰ البابی، ۱۳۵۶ھ۔

۱۴۸۔ **طیالسی**، ابو داؤد سلیمان بن داؤد جارود (۱۳۳۔۲۰۴ھ/ ۷۵۱۔۸۱۹ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۱۴۹۔ **عبدالحق محدث دہلوی** (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ/ ۱۵۵۱۔۱۶۴۲ء)۔ أشعة اللمعات۔ سکھر، پاکستان: مکتبہ نوریہ رضویہ، ۱۹۷۶ء۔

۱۵۰۔ **عبدالحیٔ احمد العکری الدمشقی**، (۱۰۸۹ھ)۔ شذرات الذهب فی أخبار من ذهب۔ بیروت، لبنان،۔ دار الکتب العلمیہ۔

۱۵۱۔ **عبد الرزاق**، ابوبکر بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶۔۲۱۱ھ/۷۴۴۔۸۲۶ء)۔ المصنف۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۱۵۲۔ **عبدالقادر جیلانی**، ابو صالح شیخ عبدالقادر بن موسیٰ بن عبداللہ الجیلانی البغدادی (۴۷۰۔۵۶۱ھ)۔ غنیة الطالبین۔ بیروت، لبنان: المکتبۃ الثقافیۃ۔

۱۵۳۔ **عبد القاہر بغدادی**۔ الفرق بین الفرق۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفۃ

۱۵۴۔ **عجلونی**، ابو الفداء اسماعیل بن محمد بن عبد الہادی بن عبد الغنی جراحی (۱۰۸۷۔۱۱۶۲ھ/ ۱۶۷۶۔۱۷۴۹ء)۔ کشف الخفا و مزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ۔

۱۵۵۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء۔

۱۵۶۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ تلخیص الحبیر فی تخریج أحادیث الرافعی الکبیر۔ المدینۃ المنورۃ، سعودیہ: ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء۔

۱۵۷۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ فتح الباری بشرح صحیح البخاری۔ لاہور، پاکستان: دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۱۵۸۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی + عمان + اُردن: دار عمار، ۱۴۰۵ھ۔

۱۵۹۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ لسان المیزان۔ بیروت، لبنان، مؤسسۃ الأعلمی المطبوعات، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۱۶۰۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ تہذیب التہذیب۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء۔

۱۶۱۔ **علوی المالکی**، السید محمد بن علوی المالکی الحسنی (۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء)۔ مفاهیم یجب ان تصحح۔ ابوظہبی: دار الفجر، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۱۶۲۔ **عینی**، بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین بن یوسف بن محمود (۷۶۲۔۸۵۵ھ/ ۱۳۶۱۔۱۴۵۱ء)۔ عمدة القاری شرح صحیح البخاری۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۱۶۳۔ **غامدی**، سعید بن ناصر الغامدی۔ حقیقة البدعة و أحكامها۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشید، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء۔

۱۶۴۔ **غزالی**، حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالی (۵۰۵ھ)۔ إحياء علوم الدين۔ مصر: مطبعہ عثمانیہ، ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء۔

۱۶۵۔ **فراہیدی**، خلیل بن اَحمد(۱۷۰ھ)۔ کتاب العین۔ دارالرشید للنشر۔

۱۶۶۔ **قرافی**، علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد بن ادریس بن عبدالرحمٰن الصنہاجی (۶۸۴ھ)۔ انوار البروق فی انوارالفروق۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفۃ۔

۱۶۷۔ **قرطبی**، ابوعبد اللہ محمد بن احمد بن ابو بکر بن فرح (۶۷۱ھ)۔ الجامع لأحکام القرآن والمبین لما تضمن من السنۃ وآي الفرقان۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۶۸۔ **قسطلانی**، ابو العباس شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی (۹۲۳ھ)۔ ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری۔ مصر: دارالفکر، ۱۳۰۴ھ۔

۱۶۹۔ **قضاعی**، ابوعبداللہ محمد بن سلامہ بن جعفر بن علی بن حکمون بن ابراہیم بن محمد بن مسلم قضاعی (م ۴۵۴ھ/ ۱۰۶۲ء)۔ مسند الشہاب۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۱۷۰۔ **کاندھلوی**، محمد زکریا الکاندھلوی (۱۳۵۱ھ/۱۴۰۲ھ)۔ أوجز المسالک الی مؤطا مالک۔ ملتان، پاکستان: ادارہ تالیفات اشرفیہ۔

۱۷۱۔ **کرمانی**، علامہ شمس الدین محمد بن یوسف بن علی الکرمانی (۷۹۶ھ)۔ الکواکب الدراری في شرح صحیح البخاری۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۷۳ء۔

۱۷۲۔ **کنانی**، احمد بن ابی بکر بن اسماعیل (۷۶۲۔۸۴۰ھ)۔ مصباح الزجاجۃ فی زوائد ابن ماجہ۔ بیروت، لبنان: دارالعربیۃ، ۱۴۰۳ھ۔

۱۷۳۔ **لالکائی**، ھبۃ اللہ بن الحسن بن منصور(۴۱۸ھ)۔ شرح اُصول إعتقاد أھل السنہ و الجماعۃ من الکتاب والسنۃ وإجماع الصحابۃ۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ ،۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲ء۔

۱۷۴۔ **لوئس معلوف**، (۱۸۶۷۔۱۹۴۶ء/ ۱۲۸۳۔۱۳۶۵ھ)۔ المنجد فی اللغۃ۔

بیروت، لبنان: دار المشرق، ۱۹۷۳ء۔

۱۷۵۔ **مالک**، ابن انس بن مالک رضی اللہ عنہ بن ابی عامر بن عمرو بن حارث اصبحی (۹۳۔۱۷۹ھ/ ۷۱۲۔۷۹۵ء)۔ الموطا۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۱۷۶۔ **ماوردی**، علی بن محمد بن حبیب البصری الماوردی (۴۵۰ھ)۔ الاحکام السلطانیہ والولایات الدینیۃ۔ مصر، مکتبہ التوفیقیہ۔

۱۷۷۔ **مبارکپوری**، محمد عبدالرحمان بن عبدالرحیم ابوالعلا المبارکپوری (۱۲۸۳۔۱۳۵۳ھ)۔ تحفۃ الأحوذی بشرح جامع الترمذی۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۷۸۔ **محبّ طبری**، ابوجعفر احمد بن عبد اللہ بن محمد بن ابی بکر بن محمد بن ابراہیم (۶۱۵۔ ۶۹۴ھ/ ۱۲۱۸۔۱۲۹۵ء)۔ الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۶ء۔

۱۷۹۔ **مروزی**، محمد بن نصر بن الحجاج، ابوعبداللہ (۲۰۲۔۲۹۴ھ)۔ السنہ۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، ۱۴۰۸ھ۔

۱۸۰۔ **مزی**، ابوالحجاج یوسف بن زکی عبدالرحمٰن بن یوسف بن عبدالملک بن یوسف بن علی (۶۵۴۔۷۴۲ھ/ ۱۲۵۶۔۱۳۴۱ء)۔ تہذیب الکمال۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۱۸۱۔ **مسلم**، ابن الحجاج قشیری (۲۰۶۔ ۲۶۱ھ/ ۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۸۲۔ **مقدسی**، شیخ ضیاء الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد الواحد بن عبد الرحمان الحنبلی (۵۶۷۔۶۴۳ھ)۔ الاحایث المختارۃ۔ مکۃ المکرّمۃ، مکتبۃ النھضۃ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۱۸۳۔ **مقدسی**، محمد بن عبد الواحد حنبلی (م ۶۴۳ھ)۔ الاحادیث المختارہ۔ فضائل بیت

المقدس۔ شام: دارالفکر، ۱۴۰۵ھ۔

۱۸۴۔ **مقرئی**، ابوعمرو عثمان بن سعید المقرئی الدانی (۳۷۱۔۴۴۴ھ)۔ السنن الواردة فی الفتن۔ الریاض، دارالعاصمة، ۱۴۱۶ھ۔

۱۸۵۔ **ملا علی قاری**، نور الدین بن سلطان محمد ہروی حنفی (م ۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۶ء)۔ مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح۔ بمبئی، بھارت، اصح المطابع۔

۱۸۶۔ **مناوی**، عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین (۹۵۲۔۱۰۳۱ھ/ ۱۵۴۵۔۱۶۲۱ء)۔ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر۔ مصر: مکتبہ تجاریہ کبریٰ، ۱۳۵۶ھ۔

۱۸۷۔ **منذری**، ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ بن سلامہ بن سعد (۵۸۱۔۶۵۶ھ/ ۱۱۸۵۔ ۱۲۵۸ء)۔ الترغیب والترهیب من الحدیث الشریف۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ۔

۱۸۸۔ **نسائی**، احمد بن شعیب النسائی (۲۱۵۔۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۱۸۹۔ **نسائی**، احمد بن شعیب النسائی (۲۱۵۔۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ السنن الکبری۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۱۹۰۔ **نسائی**، احمد بن شعیب النسائی (۲۱۵۔۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ عمل الیوم واللیلة۔ بیروت، لبنان: مؤسسة الرسالة، ۱۴۰۷ھ۔

۱۹۱۔ **نسفی**، امام عبداللہ بن محمود بن احمد النسفی (۷۱۰ھ)۔ مدارک التنزیل وحقائق التاویل۔ بیروت، لبنان، دار احیاء التراث العربی۔

۱۹۲۔ **نعیم بن حماد**، ابوعبداللہ المروزی (م: ۲۸۸ھ)۔ الفتن۔ قاہرہ، مصر: مکتبة التوحید، ۱۴۱۲ھ۔

۱۹۳۔ **نووی**، ابو زکریا یحیی بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام

(۶۳۱۔۶۷۷ھ/۱۲۳۳۔۱۲۷۸ء)۔ تهذيب الاسماء واللغات۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۹۴۔ **نووی**، ابو زکریا، یحیی بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (۶۳۱۔۶۷۷ھ/۱۲۳۳۔۱۲۷۸ء)۔ شرح صحيح مسلم۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء۔

۱۹۵۔ **نیشاپوری**، محمد بن عبد اللہ بن حمدویہ الحاکم ابو عبداللہ (۳۲۱۔۴۰۵ھ)۔ المدخل الى الصحيح۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۴ھ۔

۱۹۶۔ **وادیاشی**، عمر بن علی بن احمد الوادیاشی الاندلسی (۷۲۳۔۸۰۴ھ)۔ تحفة المحتاج الى ادلة المنهاج۔ مکۃ المکرّمۃ، دارحراء، ۱۴۰۶ھ۔

۱۹۷۔ **وشتانی**، امام ابوعبد اللہ محمد خلفۃ الوشتانی (۸۲۷ھ أو ۸۲۸ھ)۔ إكمال المعلم شرح صحيح مسلم۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیۃ۔

۱۹۸۔ **وحید الزمان**، (۱۳۲۷ھ)۔ هدية المهدى۔ فیصل آباد، پاکستان: چشتی کتب خانہ، ۱۹۸۷ء۔

۱۹۹۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔۱۴۰۵ء)۔ مجمع الزوائد و منبع الفوئد۔ قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث + بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۲۰۰۔ **ہیثمی**، نور الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔ ۱۴۰۵ء)۔ موارد الظمآن اِلی زوائد ابن حبان۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ۔

۲۰۱۔ **ہندی**، حسام الدین، علاء الدین علی متقی (م ۹۷۵ھ)۔ كنز العمال۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۳۹۹/ ۱۹۷۹ء۔

۲۰۲۔ **یعقوبی**، احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب ابن واضح الکاتب العباسی (۲۸۷ھ/ ۸۹۷ء)۔ التاريخ۔ بیروت، لبنان: دارصادر۔